

أَلَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَا يُسْرِعُ عَذَابِي ۖ

فتح باب نبوت پیچے حر وود
ختم دور رسالت پر اکھول سلام



فدا یان ختم نبوت کا ترجمان

ماہنامہ الْحَقِيقَةُ

ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
فروری ۲۰۱۲ء

شخصیت حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی

پیشہ ورانہ

اَنَا الْعَاقِبُ الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ رَجُلٌ نَبِيٌّ

جلد 5

شماره 2

فدا یاران ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

العراق

شیخ الحدیث والتفسیر استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا حافظ رضوی
خادم حسین

شیخ محمد طاہر رضوی
حافظ محمد سعد
محمد سجاد الرحمن

محمد
محمد
محمد

0321-4370406
0345-4250505

425 روپے

30 روپے

mahnamaalaqib@yahoo.com
mahnamaalaqib@gmail.com
alaqibcomposer@yahoo.com

خط و کتابت
مجمع مسجد رحمة للعالمین

مدیر کالونی نوز گریڈ میٹری سٹاپ مل شیل پٹرول پمپ چکن ٹیم فائنا ملتان روڈ لاہور



شاہ کسری (ایران) خسرو دوم کا محل۔ نبی کریم ﷺ اس دیباچہ شریف آدوی کے وقت اس محل کے 14 دروازے گر گئے تھے۔



شام کے وہ حالات جنہیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کو دلاوت ہمسوات کے مواقع پر مکہ مکرمہ میں پیش کر دی تھیں۔





اکابر

عظمت و مقام مصطفیٰ ﷺ زندہ باد

اہل اسلام و عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ، خالق ارض و سُلُوت اللہ رب العزت کے حضور انتہائی عاجزی سے سر بسجود ہیں کہ اُس نے 18 جنوری 2012ء بروز بدھ کو امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کے بچپن سے چالیس سال کی عمر مبارک تک وصف نبوت سے متصف ہونے کے امت مسلمہ کے متفقہ عقیدہ کو سرفرازی عطا فرمائی اور اس ضمن میں فریق مخالف کو مناظرہ کے لیے طے شدہ مقام پر حاضری سے فرار اور میدانِ تحقیق میں عاجز ہونا پڑا۔

یاد رہے کہ اس سے قبل بھی فریق مخالف کی رضامندی اور دقتی تحریر سے اس مسئلہ پر ایک حکم (منصف) حضرت مولانا پیر محمد چشتی صاحب کا تقرر ہوا۔ لیکن جب مولانا پیر محمد چشتی صاحب نے بھی بطور منصف یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ آقا کریم ﷺ بچپن سے وصف نبوت سے متصف ہیں بلکہ ایک جگہ تو پیر صاحب نے ایک لمحہ کے لیے بھی نبوت سے متصف نہ ہونے کی نفی فرمائی تو منکرین نے اپنے خلاف فیصلہ دیکھتے ہوئے حق قبول کرنے کی بجائے اپنے ہی مقرر کیے ہوئے حکم (منصف) کے فیصلے کو پس پشت ڈال دیا اور ”میں نہ مانوں“ کی رٹ پر برقرار رہے۔

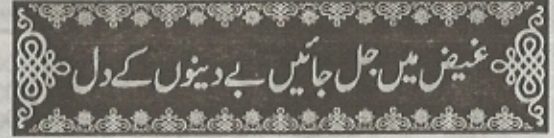
بہر کیف 31 جنوری 2012ء بروز منگل تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ کے ضمن میں عظیم الشان، فقید الشال

اداریہ

- | | | | | | |
|----|--|----|---|----|---|
| 26 | قصیدہ نور،
امام حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی | 10 | میلا دالنبی ﷺ،
مولانا عبدالرزاق چشتی سہروردی | 8 | ذکر میلا د،
امام محمد شرف الدین بوسری |
| 37 | مبارک ہر جہاں کو
”رحمۃ للعالمین“ آئے،
دعوت علی واصف | 34 | نعت خوانی کا اہتمام،
مولانا عبدالصغیٰ اعظمی | 27 | میلا دالنبی ﷺ،
پراعتراضات شیطانی فضل
مولانا مفتی محمد نعیم مراد آبادی |
| 46 | محبت رسول ﷺ
ایمان کی شرط اولین
علامہ پیر سید عرفان شاہ مشہدی | 43 | دُرود و سلام
سید عارف محمود سہروردی | 38 | بر عظیم پاک و ہند
کا صوفیانہ تفسیری ادب
پروفیسر عامر نسیم |
| 64 | عورت کا دائرہ کار
اسلامی تعلیمات کا مطالعہ
غزالہ بیٹ | 55 | نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تکریم حیات مبارکہ
میں اور بعد از پردہ یکساں واجب
مولانا محمد صالح نقشبندی سہروردی | 51 | بے ادبی اور گستاخی
کے نقائص اور ضرر
مولانا جلال الدین رومی |
| 76 | برم اطفال
مفتی برٹلین خاں برکاتی | 75 | قطعہ تاریخ
پروفیسر سید شاہ فرید الحق
سید عارف محمود سہروردی | 73 | دارالافتاء
ولادت باسعادت کی تاریخ
مفتی امجدیہ خاں نسیمی |

ادارے کا مضمون نگار
کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

’فتح مبارک کانفرنس‘ کا انعقاد بھی ہو چکا ہے۔ 18 جنوری 2012ء کو فریق مخالف کا میدان مناظرہ سے برابر اور فتح مبارک کانفرنس کے حوالے سے قارئین تفصیلی رپورٹ ان شاء اللہ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔



ربیع النور شریف کی آمد کے ساتھ ہی عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کے گھر بہار کا منظر پیش کرتے ہیں اور منکرین کے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ آمد ربیع الاول کے ساتھ ہی دو طبقات سامنے آتے ہیں۔ ایک وہ جو رسول اللہ ﷺ کی آمد پر جشن مناتے ہیں اور دوسرے وہ جو سوگ و ماتم کرتے ہوئے اس جشن ولادت پر اپنی بد باطنی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور شرک و کفر اور بدعت کی منڈی لگا دیتے ہیں۔ بس پھر کیا ہے؟ ایک طوفان بدتمیزی بلکہ طوفان بے ایمانی برپا کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کی قدرت ہے کہ جتنا منکرین محافل میلاد کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں اتنے ہی زور شور سے یہ محافل انعقاد پذیر ہو رہی ہیں بلکہ اب تو ربیع الاول شریف کی آمد سے تقریباً ایک ماہ قبل اور دو تین ماہ بعد تک باقاعدہ جشن ولادت کے حوالے سے محافل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا ہے۔

منکرین میلاد کے بڑوں کی بے دینی عوام کے سامنے اس وقت عیاں ہوتی ہے جب وہ اپنے اسٹیج سے تو محفل میلاد کو حرام ناجائز اور بدعت پکارتے ہیں لیکن جب سرکاری سطح پر گورنمنٹ اسلام آباد میں کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے تو اپنی ہی فتویٰ بازی کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے ’’ٹی اے ڈی اے‘‘ اور مفادات کے پکڑوں میں کنونشن سنٹر اسلام آباد کا طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی لیبیا میں ہونے والی عالمی میلاد کانفرنس میں بھاگے بھاگے جاتے ہیں۔ محفل میلاد لاہور میں حرام بدعت یا ناجائز ہے تو اسلام آباد یا لبرالس (لیبیا) میں کیسے جائز ہوتی ہے؟

اس موقع پر حکومت پاکستان بشمول صوبائی حکومتوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہیے کہ ملک

پاکستان کی بنیادوں میں سوادِ اعظم اہلسنت کا خون پسینہ شامل ہے۔ اس ملک کے اکثر باسی محافل میلاد کو اپنے ایمان و عقیدہ کا حصہ سمجھتے ہوئے قائم کرتے ہیں لہذا منکرین میلاد ربیع النور میں جو زہر انگیز اور بعض مرتبہ تو واضح توہین و گستاخانہ انداز کا لٹریچر چھاپ کر اہل اسلام کو اشتعال دلاتے ہیں ان کو لگام دی جائے۔

مرکزی و صوبائی حکومتیں میلاد النبی ﷺ کے ضمن میں ایک ایک سیرت کانفرنس کروا کر خود کو اس ذمہ داری سے بری نہیں کر سکتیں لہذا ہمارا مطالبہ ہے کہ مرکزی و صوبائی حکومتیں اپنے اپنے دائرہ اختیار میں منکرین میلاد کے زہر آلود لٹریچر کے خلاف فی الفور کریک ڈاؤن کریں اور ملک کی اکثریت کے عقائد و سوچ کا احترام کریں۔

اگر حکمرانوں کی گدی میں یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ یوں سمجھ لیں کہ ماہ محرم میں ماتم کے ناجائز ہونے میں کوئی دورائے نہیں لیکن اس کے باوجود پورے ملک میں کہیں بھی کوئی اشتہار بازی، لٹریچر، پمفلٹ یا کتابچے شائع نہیں ہوتے۔ اگر ہوں بھی تو حکومت فوراً ایکشن لیتی ہے کہ نقص امن کا خطرہ ہے۔ ایک ناجائز کام ’’ماتم‘‘ کے لیے تو حکومت کو حالات کی سنگینی کا ادراک ہوتا ہے لیکن محفل میلاد ایسا مبارک فعل جو آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے باضابطہ موجودہ شکل میں اور اس سے قبل دیگر صورتوں میں چلا آ رہا ہے اس کے خلاف زہر اگلنے سے حالات کی سنگینی کا ادراک کیوں نہیں ہوتا؟؟؟

اس موقع پر اہلسنت و جماعت کا ہر شخص ذمہ دار ہے کہ وہ ان بد باطنوں کے خلاف عملی میدان میں آئے جہاں کوئی گستاخ شان رسالت مآب ﷺ میں زبان درازی کرے اسے لگام دینے کے لیے قانون کا سہارا لے۔ اگر قانون والے اندھے بہرے ہوں تو مقامی اہلسنت کی تنظیموں سے رابطہ کرے اور عملی تدابیر اختیار کرتے ہوئے انہیں لگام دے۔



ذکر میلاد مصطفی ﷺ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
میرزا محمد علی

ایمان مولده عن طیب عنصره یا طیب مبتدائمه ومختتم

ترجمہ: حضور ﷺ کی جائے ولادت نے جسد مبارک کی خوشبو ظاہر کی۔ سبحان اللہ! اے لوگو! دیکھو حضور ﷺ کی جائے ولادت اور روضہ اقدس دونوں کیسے پاک اور خوشبودار ہیں۔

یوم تفرس فیہ الفرس انهم قد انذروا بحلول البؤس والنقم
ترجمہ: یوم ولادت کو فرست سے اہل فارس نے جان لیا کہ یہ دن ان (کے عقائد باطلہ) پر بلا و مصیبت کے نازل ہونے کا ہے۔

وبات ایوان کسری وهو منصع کشل اصحاب کسری غیر ملتئم
ترجمہ: شاہ کسری کا محل پھٹ کر رہ گیا اور پھر درست نہ ہو سکا۔ جس طرح لشکر کسری منتشر ہونے کے بعد پھر منظم نہ ہوا۔

والنار خامدة الانفاس من اسف علیہ والنہر ساہی العین من سدم
ترجمہ: آتش کدو کی آگ آہ سرد کھینچ کر ٹھنڈی ہو گئی اور نہر فرات کی آنکھ یعنی منبع بنے سے رک گیا۔

وساء ساوۃ ان غاضت بحیرتھا وردوار دھا بالغیظ حسین ظم
ترجمہ: اور جب کہ خشک ہو گیا دریا سادہ تو اہل سادہ ساحل سے شدت تشنگی میں غصہ سے واپس لوٹے۔

کان بالنار ما بالماء من بلل خزناو بالماء ما بالنار من حرم

ترجمہ: گویا کہ آتش غم میں آگ نے پانی سے نمی حاصل کی ہے اور پانی نے آگ سے حرارت حاصل کر کے خشکی اختیار کی۔

والجن تہتف والانوار ساطعة والحق یتظہر من معنی ومن کلم
ترجمہ: جنات آواز دینے لگیں اور نور بلند ہو کر چمکنے لگے۔ حق ظاہر ہو گیا قرآن کریم سے اور حضور ﷺ کے ارشادات (احادیث) سے۔

عموا او صموا فاعلان البشائر لم تسمع وبارقة الانذار لم تشم
ترجمہ: کفار اندھے بہرے ہو گئے۔ نہ خوش خبری کا اعلان سنا، نہ ڈرانے والی بجلیاں دیکھ سکے۔

من بعد ما اخبر الاقوام کاهنہم بان دینہم المعوج لم یقم
ترجمہ: مشرکین اور بے دین منکر بعد اس کے اندھے بہرے ہوئے کہ انھیں کافروں نے پہلے خبر دی تھی کہ (کافرو) تمہارا دین باطل اور غیر قائم (باقی نہ رہنے والا) ہے۔

وبعد ما عینوا فی الافق من شہب منقضة وفق مافی الارض من صنم
ترجمہ: کفار حضور ﷺ کی رسالت کے انکار سے پہلے آسمان کے کناروں سے شہاب ثاقب ٹوٹتے ہوئے دیکھتے اور زمین پر بتوں کو گرا ہوا پانچکے تھے۔

حتی غدا عن طریق الوحی منہزم من الشیاطین یقفوا اثر منہزم
ترجمہ: حتی کہ وحی کے راستہ (آسمان کے دروازہ) سے شیاطین ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔

کانہم ہربا ابطال ابرہۃ او عسکر بالحصى من راحیہ رم
ترجمہ: گویا شیاطین بھاگنے میں لشکر ابرہہ کے مانند تھے یا اس لشکر کی مثل جو حضور ﷺ کے دسپہ مبارک کی کنگریوں سے مارا گیا۔





تخلیق اول نور محمدی:

«وروی عبدالرزاق بسندہ عن جابر بن عبد اللہ قال قلت یارسول اللہ ﷺ ما بابت و امی اخبرنی عن اول شیء خلقه اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نوره فجعل ذالک النور یدور بالقدرة حیث شاء له ولم یکن فی ذالک الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملک ولا سماء ارض ولا شمس ولا قمر ولا جنی ولا انس»

﴿زر قانی ج: ۱ ص: ۲۹/ الانوار المحمدية ص: ۱۳﴾

ترجمہ: عبدالرزاق ؒ نے اپنی سند سے جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا اول اللہ ﷻ میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے یہ خبر دیجئے کہ تمام چیزوں میں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے؟ آپ ؓ نے فرمایا: اے جابر بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تیرے کے نور کو پیدا کیا۔ پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں اسے منظور تھا سیر کرتا رہا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت اور نہ دوزخ اور نہ فرشتے نہ آسمان نہ زمین نہ سورج اور نہ چاند نہ جن اور نہ انسان تھے۔

خیال رہے کہ یہ حدیث مولوی اشرف علی تھانوی صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب ”نشر الطیب“ میں بھی لکھی ہے۔

«عن العرباض بن ساریة عن رسول ﷺ انه قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین آدم لمنجدل فی طینة» (شرح السنة مشکوٰۃ باب: فضائل سید المرسلین)

ص: ۵۱۳/ مواہب مع زر قانی ص: ۳۹

حضرت عرباض بن ساریة سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین تھا جبکہ آدم ؑ ابھی تک اپنے خیر میں تھے۔
مولوی اشرف علی تھانوی صاحب دیوبندی اپنی کتاب نشر الطیب میں بیان کرتے ہیں کہ اسے احمد بن حنبل اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں یہ حدیث شرح السنہ سے مذکور ہے۔

اس حدیث پاک سے آنحضرت ﷺ کا تحقیقاً آدم ؑ سے قبل نبی ہونا بھی ثابت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہونا بھی ثابت، موجود ہونا بھی ثابت اور آپ ﷺ کی حقیقت کا نور ہونا بھی ثابت کیونکہ بشروں کا باپ بعد میں پیدا کیا جا رہا ہے اور آپ ﷺ کی حقیقت پہلے ہی موجود و متحقق تھی اور ان صفات کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی۔

اس مقام پر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے بیان کردہ نکتہ اور ایک توہم ازالہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں ”اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ سو اس لیے آپ ﷺ کے وجود کا تقدم آدم ؑ پر ثابت نہ ہوا۔ جواب یہ ہے اگر یہ مراد ہوتی تو آپ ﷺ کی تخصیص تقدیر تمام اشیاء مخلوقہ کی ان کی وجود سے مقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کسی صفت کا ثبوت فرع ہے ثبوت لہ کے ثبوت کی پس اس سے آپ ﷺ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا اور چونکہ مرتبہ بدن متحقق نہیں تھا اس لئے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا۔“

اس سوال و جواب نے واضح کر دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت محض علم الہی کے لحاظ سے نہیں تھی بلکہ خارج اور واقع میں آپ ﷺ کا نور انور اور روح اقدس اور حقیقت محمدیہ اس کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی۔ یہی ہمارا نظریہ و عقیدہ ہے کہ بشریت کے لحاظ سے آپ اولاد آدم ؑ ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے اصل موجودات بھی ہیں اور آدم ؑ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی اس لحاظ سے آپ بنیاد ہیں۔

یہی تھانوی صاحب ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں سوال یہ ہے جب انبیاء موجود ہوتے

تو ان کے خاتم کا موجود ہونا بھی متصور ہو سکتا تھا جب ان کا بلکہ ان کے والد اور معدن و اصل کا وجود نہیں تھا تو نبی کریم ﷺ خاتم النبیین کس طرح ہو گئے؟ تھانوی صاحب کی زبانی سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں: ”اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ ﷺ کو چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ ﷺ سب نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا یہ وصف تو خود تاخیر کو مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تاخیر مرتبہ ظہور میں ہے مرتبہ نبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیلداری کا عہد مل جائے تو تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے (جاری ہونے) لگے گی مگر ظہور ہوگا کسی تحصیل میں بھیجنے کے بعد“۔

یعنی جس طرح اس تحصیلدار کے منصب کا لوگوں کو علم اس وقت ہوگا جب وہ تحصیل میں جا کر چارج سنبھالے گا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ ہمارے تحصیلدار صاحب ہیں حالانکہ سرکار (گورنمنٹ) کے نزدیک وہ اس وقت سے تحصیلدار ہے جب سے اسے نامزد کیا گیا ہے تو نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین کے مرتبہ پر اس وقت فائز ہو چکے تھے جب آدم علیہ السلام ہنوز عالم آب و گل میں تھے مگر چہ لوگوں کو اس وقت پتہ چلا جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا۔ الغرض ظہور اگرچہ بعد میں ہوا لیکن وجود پہلے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقت نوریہ کے لحاظ سے آپ ﷺ اصل موجودات اور بنیاد آدم علیہ السلام ہیں مگر ظہور اور نشاۃ دینیہ کے لحاظ سے اولاد آدم علیہ السلام ہیں۔ (تنویر الابصار، ص: 19)

● عن ابی ہریرہ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوة قال و آدم بین روح والجسد (ترمذی/مشکوۃ باب: فضائل سید المرسلین، ص: 513 زرقانی، 1: ص: 34) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ آپ ﷺ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی؟ آپ نے فرمایا جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے میان تھے یعنی ان کے جسم میں جب جان بھی نہیں آئی تھی میں اس وقت سے نبی ہوں۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حسن کہا ہے اسے یہ الفاظ سے میسر نہیں کہ...

ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے حلیہ میں اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصریح کی ہے۔

صحابہ کرام کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہیں؟ پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزائے تھے اور اس طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا۔ جب وہ اس طرح کا سوال کرتے اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ معلوم ہوا ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ منصب نبوت پر پہلے سے فائز تھے۔ انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے اعلان نبوت و رسالت کب فرمایا؟ بلکہ پوچھا (متی وجبت لک النبوة یا رسول اللہ) آپ کے لئے یا رسول اللہ ﷺ نبوت کس وقت سے ثابت ہے؟

نبی کریم ﷺ کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی روح ابھی ان کے جسم میں پھونکی نہیں گئی تھی۔ صحابہ کرام کے اس نظریہ و عقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست کہا واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی۔

اس روایت کو ترمذی شریف میں نقل کیا گیا ہے اور ترمذی شریف حدیث کی وہ کتاب ہے جس کے متعلق محدثین نے فرمایا جس گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ یوں سمجھے کہ رب تعالیٰ کا رسول میرے گھر میں موجود اور تشریف فرما ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت بھی نہیں کہا اور ضعیف بھی نہیں کہا بلکہ انہوں نے اس کو ”حسن“ کہا ہے۔ اصول حدیث میں یہ واضح ہے کہ حسن حدیث، حجت و دلیل اور سند ہو سکتی ہے۔

پھر اشرفی تھانوی نے تصریح کر دی ہے کہ میسرہ ضعی کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ آتے ہیں گویا یہ روایت دو صحابیوں سے مروی ہوئی۔ اس طرح کل چار صحابیوں (حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری،

ت عرابض بن ساریہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت میسرہ رضی اللہ عنہم کی شہادت اور گواہی اب تک ہے کہ آنحضرت ﷺ نور ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و ایجاد سے پہلے نبوت و رسالت اور نبیین کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

علاوہ ازیں اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے جو اہل سنت کے چوتھے امام ہیں اور امام ابو امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد ان کا درجہ ہے۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اپنی تاریخ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ابو نعیم رحمہ اللہ نے اس کو حلیہ میں نقل ہے اور حاکم جیسے محدث نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حاکم رحمہ اللہ وہ محدث ہیں جس نے بخاری و مسلم سے روای صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور اس کا نام مستدرک رکھا ہے۔ (تنویر الابصار، ص: 22)

کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری:

والا کثرون انہ ولد عام الفیل وانہ بعد الفیل بخمسين يوما وانہ فی شہر بیع الاول ثنین لثنی عشرۃ خلت من عند طلوع الفجر (مواہب / انوار محمدیہ، ص: 27)
جمہ: اکثر اہل علم کا قول یہی ہے کہ حضور ﷺ اس سال دنیا میں تشریف لائے جس سال ابرہہ نے یمن پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو شہید کرنے کی مذموم حرکت کی اور وہ تباہ و برباد ہوا۔ اس سال کو عام الفیل میں۔ آپ اس واقعہ کے پچاس دن بعد تشریف لائے۔ یہ بیع الاول کا مہینہ تھا اور اس کی بارہ تاریخ کا دن تھا، صبح صادق کا وقت تھا۔

کے دن کو نبی کریم ﷺ سے تعلق:

پ کی پیدائش ہوئی پیر کے دن، آپ کو نبوت عطا ہوئی پیر کے دن، مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت ہوا، مدینہ طیبہ میں پہنچے پیر کے دن۔ قریش کے نزاع کو مٹانے کے لئے حجر اسود کو اپنی چادر مبارک سے سب قبائل کے سرداروں کو اٹھانے کے متعلق ارشاد فرمایا اور خود حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ شریف کی دیوار پر لٹا دیا۔ یہی بھی دن کا دن تھا۔ مکہ شریف فتح فرمایا پیر کے دن اور سورہ مائدہ کا آپ پر نازل بھی پیر کے

دن ہوا تھا۔ (مواہب / انوار محمدیہ، ص: 27)

● نبی کریم ﷺ کا نور منتقل ہونے کے بعد بھی اثر انداز رہا:

نبی کریم ﷺ کے پیدائش سے پچاس دن پہلے ابرہہ کا واقعہ درپیش آیا اس وقت وہ نور حضرت عبدالمطلب سے منتقل ہو کر حضرت عبد اللہ کی والدہ کے پاس اور ان سے حضرت عبد اللہ کے پاس اور ان سے حضرت آمنہ کے پاس آچکا تھا لیکن پھر بھی اس کے اثرات حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں موجود تھے۔

﴿فر کب عبد المطلب فی قریش حتی طلع جبل ثبیر فاستدارت دارۃ غرة رسول اللہ علی جبهته کالہلال واشتد شعاعها علی البیت الحرام مثل السراج فلما نظر عبد المطلب الی ذالک قال یا معشر قریش ارجعوا فقد کفیتم هذا الامر فواللہ ما استدار هذا النور منی الا ان یکون الظفر لنا﴾ (مواہب اللدنیہ، ص: 158)

ترجمہ: حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر (ابرہہ کے لشکر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے) ثبیر پہاڑ پر چڑھے تو آپ کی پیشانی میں نبی کریم ﷺ کا نور گول چاند کی طرح ظاہر ہوا اور اس کی شعاعیں چراغ کی طرف کعبہ شریف پر پڑیں۔ جب عبدالمطلب نے یہ حال دیکھا تو آپ نے کہا: اے قریش کی جماعت! واپس لوٹ چلو یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ نور میری پیشانی میں جو چمکا ہے یہ ہماری کامیابی کی دلیل ہے۔

● نبی کریم ﷺ کے نور سے شام کے محلات روشن ہو گئے:

حضرت عرابض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینۃ و ساخبر کم باول امری دعوة ابراهیم وبشارة عیسیٰ وریا امی النبی رات حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام﴾ (شرح السنة / مسند احمد / مشکوٰۃ، باب: فضائل سید المرسلین، ص: 513)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا کہ جب آدم علیہ السلام گوندھی ہوئی مٹی

میں تھے یعنی آپ کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا۔ تمہیں اپنے اول امور کی خبر دے رہا ہوں کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی عا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کی رویا ہوں جو آپ نے اس وقت دیکھا جب مجھے پیدا کیا کہ آپ سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

دعوت ابراہیم سے اشارہ اس طرف تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد عاکہ ربنسا و ابعث فیہم رسولاً منهم ﴿پ: 1، سورة البقرة آیت: 129﴾ کہ اے ہمارے رب تعالیٰ ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان میں سے ہی ہو۔ ﴿بشارۃ عیسیٰ﴾ سے مراد جو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿و مبشرا رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد﴾ ﴿پ: 28، سورة الصف آیت: 2﴾ آپ نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔

رویہ سے مراد خواب یا ظاہر طور پر دیکھنا مراد ہے اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ﴿ظاہر هذا الکام ان رویۃ نور اضاء بہ قصور الشام کانت فی المنام وقد جاء ت لاخبار انها کانت فی البقعة واما الذی فی المنام فهو انهارات انه اتاهاآت فقال ہا شعرت انک قد حملت بسید هذه الامة ونبیہا فینبغی ان یحمل الرؤیا علی الرؤیۃ العین واللہ اعلم﴾ (لمعات)

ترجمہ: ”اگرچہ ظاہر طور پر تو یہ سمجھ آتا ہے کہ آپ ﷺ کا نور کو دیکھنا جس سے شام کے محلات روشن ہوئے خواب کا واقعہ ہو لیکن احادیث میں یہی واقعہ جاگتے ہوئے بھی درپیش آنے کا ذکر ہے۔ خواب کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاس آکر مجھے کہہ رہا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اس امت کے سردار نبی کو ولادت دینے لگی ہو۔ مناسب یہی ہے کہ اس حدیث میں رویہ سے آنکھ سے جاگتے ہوئے دیکھنا مراد لیا جائے۔“

راقم کے نزدیک اس حدیث میں خواب کا معنی لینا ہی حقیقت سے دوری کی علامت ہے اس لئے کہ ﴿و حین ضعتی﴾ ظرف ہے ﴿رات﴾ کی (جس وقت میری والدہ نے مجھے جناس وقت دیکھا) پیدائش کے وقت

خواب کا دیکھنا ممکن ہے۔ اس حدیث میں ظاہری طور پر دیکھنا مراد لیا جائے تو یہ معنی ظاہری ترکیب کے بالکل مطابق ہے۔ خواب والا معنی لینا تکلفات اور تاویلات سے خالی نہیں۔

● نبی کریم ﷺ کی پیر اور ربیع الاول کو پیدائش میں حکمت:

اگرچہ بظاہر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت رمضان المبارک میں ہوتی کیونکہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا اور اس میں لیلۃ القدر بھی ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان چار مہینوں میں آپ ﷺ کی پیدائش نہیں ہوئی جنہیں عزت والے مہینے کہا گیا ہے۔ شعبان کی پندرہویں رات کو آپ کی پیدائش نہیں ہوئی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات آپ ﷺ کی پیدائش نہیں ہوئی اس میں کیا حکمت ہے؟

اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولادت سے اس زمانے کو مشرف فرمایا جس میں آپ ﷺ پیدا ہوئے یعنی ربیع الاول اور پیر کو نبی کریم ﷺ سے ہاسمال بنایا گیا۔ اگر دوسرے بابرکت اوقات میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش ہوتی تو وہم ہوتا کہ آپ ﷺ کو شاید کسی مہینے یا کسی دن یا کسی وقت کی وجہ سے کمال ملا ہے۔

اور وجہ یہ ہے کہ ربیع الاول موسم بہار کو کہتے ہیں جو تمام موسموں سے اعدل (معتدل) ہے اور احسن ہے۔ آپ ﷺ کو ربیع الاول میں پیدا فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں سے معتدل ہے۔ نہ اس میں افراط ہے اور نہ تفریط یعنی بہت سختیاں بھی نہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں اور بہت نرمیاں بھی نہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں۔

پیر کو آپ ﷺ کے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیر کو تمام درخت پیدا کیے گویا کہ انسانوں کا رزق پھل، سبزیاں وغیرہ جن پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے وہ پیر کو پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کو بھی اس دن پیدا کر کے اشارہ فرمادیا کہ آپ ﷺ کی ذات بھی انسانوں کی رگوں کو زندگی بخشنے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح رزق کے بغیر انسان کا زندہ رہنا محال ہے اسی طرح آپ ﷺ کے بغیر ارواح کی بقا حتمی ہے۔

● نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک اصل میلاد النبی ﷺ منانے کا جو طریقہ رائج ہے وہ جائز ہے کیونکہ جو لوگ جمع ہوتے ہیں قرآن پاک پڑھتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت کے واقعات بیان کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی ولادت اور آمد باسعادت پر دلالت کرنے والی آیات بیان کرتے ہیں۔ پھر وہ دسترخوان بچھاتے ہیں اور سب لوگ مل کر کھانا کھاتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر چلے جاتے ہیں کوئی ناجائز کام نہیں کرتے۔ یہ تمام کا بدعات حسنہ ہیں۔

﴿التی یشاب علیہا صاحبہا لما فیہ من تعظیم قدر النبی ﷺ و اظہار الفرح والاستبشار بمولده الشریف﴾ (حاوی للفتاویٰ ج: ۱، ص: ۱۸۹)

ترجمہ: جن کے کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم پائی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار ہے اور آپ کی آمد باسعادت پر بشارت کا حصول ہے۔

● محافل میلاد میں علماء و صلحاء کی شرکت:

ملک مظفر نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں ہر سال قائم کی گئی محافل میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ اس کے دسترخوان پر پانچ ہزار بکروں کے بھنے ہوئے سر اور دس ہزار مرغیاں، ایک لاکھ بکھن ٹکلیاں اور تین ہزار طشت مٹھائیوں کے رکھے جاتے تھے۔

﴿وکان یحضر عنده فی المولد اعیان العلماء والصوفیہ﴾ ترجمہ: اس کے پاس میلاد النبی ﷺ کی محافل میں علمائے کرام اور صوفیہ عظام حاضر ہوا کرتے تھے۔

یہ بھی خیال رہے کہ ملک مظفر الدین بن زین الدین ایک نیک عادل شخص تھا۔ سلطان صلاح الدین بن ایوب کا بہنوئی تھا۔ ایک دن صلاح الدین ایوبی کی بہن اور اس کی زوجہ نے ان کو کہا تم لباس قیمتی کیوں نہیں پہنتے؟ یہ پانچ درہم کے کھدر کے کپڑے پہن لیتے ہو یہ سن کر ملک مظفر نے جواب دیا۔ ﴿لبسی ثوبا بخسمة والتصدق بالباقی خیر من ان البس ثوبا مٹمنا و ادع الفقیر والمسکین﴾ میرے

لئے پانچ درہم کا لباس پہنا اور باقی صدقہ کر دینا بہتر ہے نسبت اس کے کہ میں قیمتی لباس پہنوں اور فقیروں مسکینوں کا خیال رکھنا چھوڑ دوں۔

حافظ ابو الخطاب بن دحیہ جو مشہور علماء اور عظیم فضلاء میں سے تھے نے ایک کتاب نبی کریم ﷺ کی ولادت کے ذکر میں لکھی جس کا نام ﴿کتاب التنبؤ فی مولد البشیر النذیر﴾ تھا۔ اس پر ملک مظفر الدین نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ 625ھ میں بادشاہ کے پاس میلاد النبی ﷺ کی چار مجلسوں میں اس کتاب کو پڑھا گیا۔

● نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ولادت کا تذکرہ کیا:

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ ربیع الاول میں ہنسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ عبادت نہیں کی لیکن اس کی وجہ یہ تھی ﴿وما ذاک الا لرحمته﴾ بامتنہ ورفقہ بہم لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یتربک خشية ان يفرض علی امتہ رحمة منه بہم لکن اشار علیہ السلام الی فضیلة هذا الشهر العظیم بقوله للسان اللہ الذی سألہ عن صوم یوم الاثنين ذاک یوم ولدت فیہ﴾ ترجمہ: آپ ﷺ نے اپنی امت پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے زیادہ عبادت اس مہینہ میں نہیں کیں کہ میری امت پر کہیں یہ فرض نہ کر دی جائیں۔ آپ ﷺ اسی حکمت کی وجہ سے کئی امور میں ہمیشگی نہیں فرماتے تھے لیکن اس مہینہ کی فضیلت کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ کر دیا کیونکہ جب آپ ﷺ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری پیدائش کا دن ہے۔

● اس دن کی فضیلت کی وجہ سے سارا مہینہ ہی فضیلت والا:

﴿فینبغی ان نحترمه حق الاحترام ونفضله بما فضل الله به الا شهر الفاضلة﴾ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہینے کا ایسا احترام کریں جیسا اس کا حق ہے اور ایسے ہی اس ماہ کو افضل سمجھیں جیسے دوسرے مہینے جن کی افضلیت کا ذکر رب تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ﴿انا سید ولد آدم ولا فخر و آدم فمن دونہ تحت لوائی﴾

میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

کسی زمان یا مکان کو ذاتی طور پر کوئی فضیلت حاصل نہیں بلکہ جن عبادات اور فضیلت والے اسباب سے ان کا تعلق ہوتا ہے ان کی وجہ سے وہ زمان و مکان بھی افضل ہو جاتے ہیں۔ جس مہینہ اور دن میں سید الکائنات تشریف لائے یقیناً اسے بھی فضیلت حاصل ہے۔ ﴿الانسری ان صوم هذا اليوم فيه فضل عظيم لانه عليه ولد فيه﴾ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس دن (پیر کے دن) روزہ رکھنا بہت عظیم ہے کیونکہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔

﴿اخرج البيهقي عن انس ان النبي ﷺ عرق عن نفسه بعد النبوة﴾ بتاہی نے حضرت انس سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا۔

حالانکہ آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کر چکے تھے اور عقیقہ دوبارہ لوٹایا بھی نہیں جاتا تو کیا وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ پھر کیا؟

﴿ان الذي فعله النبي ﷺ اظهار للشكر على ايجاد الله اياه رحمة للعالمين وتوسيع لامته كما كان يصلي على نفسه﴾ آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ اس لئے کیا کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین بنایا تو آپ ﷺ نے اس سے شکریہ کا اظہار فرمایا اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی منانا شروع ہو جائے۔

جیسا کہ آپ ﷺ پر کوئی ضروری نہیں تھا کہ خود پر نبی ﷺ درود پڑھیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ اپنی امت پر اسی وجہ سے درود پڑھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی امت کے لئے سنت بھی بن جائے۔

تاریخ ولادت شریف پر اعتراض و جواب:

☆ اعتراض: نبی کریم ﷺ کی پیدائش بارہ ربیع الاول کو علم تقویم کے حساب سے درست نہیں بنتی

کیونکہ آپ ﷺ کی پیدائش ۱۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔ اس کا حساب کیا جائے تو نو (۹) ربیع الاول تاریخ ولادت بنتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بارہ ربیع الاول پیدائش کا دن ثابت ہو جائے تو وہی وفات کا دن بھی ہے تو پھر اس دن خوشی کا اظہار کرنا کیسے ممکن ہوگا؟ وہ دن تو غمی کا دن ہے؟

● جواب:

اعتراض کی پہلی صورت کا جواب تو یہ ہے کہ جناب محمد عرفان رضوی سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی نے اپنی کتاب میں تقویم کی رو سے ہی بارہ ربیع الاول تاریخ کو درست ثابت کر دیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل اسلامی مہینوں کا کیلنڈر مستقل نہیں تھا بلکہ کفار اپنی مرضی سے اس میں تبدیلی کر دیتے تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے ﴿ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذالك الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسكم وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة واعلموا ان الله مع المتقين﴾ (پ: ۱۰ سورة التوبة آیت: ۳۶)

ترجمہ: ”بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“

بارہ قمری مہینوں میں سال کی تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں کہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سما نے یہ حکم روز ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ان بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب ذیقعد ذی الحج اور محرم حمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح

قتل و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل بھی انہیں مل جاتا تو اسے بھی کچھ نہ کہتے۔ کتاب اللہ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا قرآن حکیم۔

﴿ذالک الدین القیم﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہی محکم شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انہیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔ قیم اصل میں قیوم تھا رسید کی طرح اس میں تغلیل ہوئی۔ احکام الہی سے سرتابی ہر وقت بری ہے لیکن ان حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے۔ اس لئے خصوصی طور پر ان مہینوں میں بازرہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مدرس اور مبارک اوقات میں نیکی کا زیادہ ثواب ملتا ہے اور اس کی برکت کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت انسانی پر اس کی نحوست کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

﴿ان وقوع الطاعة فی هذه الاوقات اکثر تاثير فی طهارة النفس ووقوع المعاصی بها اقوی تاثيرا فی خبث النفس﴾ اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے کلمہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ ﴿کافۃ﴾ کف کا مدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد، ثنئیہ اور جمع، مذکر و مؤنث سب کے لئے یہی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان کو لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ ان کا پیشہ قزاقی، رہزنی اور مار ڈبہ کر رہ گیا تھا۔ تین ماہ (ذیقعد، ذی الحج، محرم) تک متواتر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا ان کے لئے بل برداشت تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر لیا اور میں جی بھر کر قتل و غارت گری کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینے کو حرام کر دیا۔

حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی چار ہی رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز ”حج“ ایک عبادت ہونے کے علاوہ ان کے لئے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دور دراز سے تجارتی قافلے بھی آتے جس سے انہیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ چونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لئے یہ ایسے موسم میں بھی آ جاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور انہیں دل خواہ نفع نہ ہوتا۔ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا کیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں ”کبیہہ“ کا ایک مہینہ بڑھا دیا۔ اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں کو ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔

ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے اہل اور محکم احکام میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کے اس فعل کو ﴿زیادة فی الکفر﴾ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

۱۰ھ میں جب رحمت عالم ﷺ حجۃ الوداع کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی نو اور دس ذی الحجہ حج کو ادا ہونا قرار پایا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا ﴿ان الزمان قد استدار کھینۃ یوم خلق اللہ السموات والارض﴾ یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس کے لئے مقرر فرمائی تھیں۔

اس میں مسلمانوں کے لئے بھی عبرت کا درس ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کے لئے احکام الہی میں رد و بدل نہ کریں۔

حساب دان حضرت ان چیزوں کو مد نظر رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ برس ہے۔ آپ کا ظاہری پردہ بارہ ربیع الاول میں ہوا بلکہ بزرگان دین دور ربیع الاول کو روایت پر زیادہ عمل کرتے ہیں۔ حجۃ الوداع آپ کے ظاہری پردے سے تین ماہ قبل ہوا۔ اس حجۃ الوداع سے تینتیس سال پہلے حج اپنی خاص

تاریخوں پر آیا تھا۔

بہر حال جمہور علمائے کرام کا اجماع اسی پر ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہی ہے۔ بارہ پر اعتراض کرنے والے نور ربیع الاول کو ہی خوشی کا اظہار کر دیں تو ہمیں ان پر کیا اعتراض ہے؟ لیکن ان کے گھر تو اس دن بھی صف ماتم ہی بچھی رہتی ہے۔

اعتراض کی دوسری صورت یہ تھی کہ ایک تاریخ کو ہی اگر پیدائش بھی ہو اور وصال بھی ہو تو غم کیوں نہیں کیا جاتا؟ صرف خوشی کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے؟

اس کے جواب میں علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں ”نبی کریم ﷺ کی ولادت ہمارے لئے عظیم نعمت ہے اور آپ ﷺ کا ظاہری پردہ عظیم مصیبت ہے۔ شریعت نے نعمتوں کے شکر کا اظہار کرنے کا حکم دیا اور مصیبتوں کے وقت صبر و سکون اور اُن کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ شریعت نے بچے کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنے کے لئے عقیقہ کا حکم دیا لیکن وفات پر جانوروں کے ذبح کا حکم نہیں دیا۔ نہ ہی اور ایسے کاموں کا حکم ہے جو خوشی کے موقع پر کئے جاتے ہیں بلکہ نوحہ سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ بے صبری کی علامت ہے۔

﴿فلدت قواعد الشريعة على انه يحسن في هذا الشهر اظهار الفرح بولادته دون اظهار الحزن فيه بوفاته﴾ قوانین شریعت اس پر دلالت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کی ولادت کی وجہ سے اس مہینہ میں خوشی کا اظہار کرنا اچھا ہے لیکن آپ کے ظاہری پردہ پر غم کا اظہار کرنا اچھا نہیں ہے۔

ابن رجبؒ نے اپنی کتاب ”اللطائف“ میں رافضیوں کے یوم عاشورہ کو امام حسینؑ کی ہلاکت کی وجہ سے ماتم کرنے پر مذمت کرتے ہوئے بیان کیا ہے ﴿لم يامر الله ولا رسوله بالتحاذر من مصائب الانبياء وموتهم ماتما فكيف ممن هو دونهم﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیائے کرام پر مصائب کے دنوں اور ان کے وصال کے دنوں کو ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا تو ان سے کم پر والوں پر ماتم کیوں کر کیا جائے؟ (الحاوی للفتاویٰ ج: ۱ ص: ۱۹۳)

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ زندہ ہیں تو غم کرنے کا مقصد ہی کیا ہے؟

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں ﴿اخرج ابويعلى في مسنده والبيهقي في كتاب حياة الانبياء عن انس ان النبي ﷺ قال والانبياء احياء في قبورهم يصلون﴾ (الحاوی للفتاویٰ ج: ۲ ص: ۲۶۴) مسند ابی یعلیٰ اور بیہقی میں مذکور ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ اس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ﴿فحصل من مجموع هذه النقول والاحاديث ان النبي ﷺ حي بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث شاء في اقطار الارض وفي الملكوت وهو بهيئة التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء وانه مغيب عن الابصار كم غيب الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله رفع الحجاب عمن اراد اكرامه برويته راه على هيئة التي هو عليها لامانع من ذلك ولاداعي الى التخصيص بروية المثال﴾

ترجمہ: ”ان تمام روایات و احادیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے روح و جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ زمین کے اطراف اور ملکوت میں جہاں چاہیں سیر کریں اور تصرف کریں۔ آپ ﷺ کو ظاہری پردہ سے پہلے جو ہیئت حاصل تھی وہی اب بھی حاصل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ صرف آپ ﷺ نظروں سے اوجھل ہوئے ہیں جیسے فرشتے نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے آپ ﷺ سے حجاب اٹھا دیتا ہے وہ آپ ﷺ کو اسی حال میں دیکھتا ہے جیسے آپ ﷺ ظاہری حیات میں تھے۔ اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ آپ ﷺ کے جسم کو کئی مثالیں عطا کر دیتا ہے اور آدمی آپ ﷺ کی مثالوں کو دیکھتا ہے بلکہ آپ ﷺ کو ظاہری طور پر دیکھا جاتا ہے۔“





ح طیبہ میں ہوئی بٹنا ہے باڑا نور کا
غ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
ہوئیں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
ی ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا
ادیاں کر کے خود قبضہ بٹھایا نور کا
گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
ہ ان کے ہوتے نازیبا ہے دعویٰ نور کا
ی نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
مد جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
ن شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
گیسو، دہن آئی ابرو آنکھیں آع ص
رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے



بعض فروغی مسائل پر جھگڑا کرنا اور اپنا ایک فرقہ اور الگ ٹکڑی بنا کر مسلمانوں سے برسر پیکار ہو جانا کیا
معنی رکھتا ہے؟ اگر کسی شخص نے میلاد مبارک کی محفل کی، حضور سید عالم ﷺ کی ولادت مبارکہ اور مقدس
زندگی کے احوال کریمہ اور معجزات باہرہ بیان کئے، مجلس شاندار طور پر ترتیب دی اور باوقار طریق پر ذکر کیا،
بیان ولادت مبارکہ کے وقت شان حبیب کے اظہار عظمت کے لئے تعظیمی قیام کیا تو کیا برا ماننے کی بات
ہے؟ شریعت نے اس کو کون سا محرمات سے بتایا ہے؟ کہاں کہاں میں شمار کیا ہے؟ جس پر اس شد و مد کے
ساتھ جنگ ہے، ناراضگی ہے، کتابیں چھاپی جاتی ہیں، رسالے لکھے جاتے ہیں۔ اس کی توہین میں نظمیں لکھی
جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو مشرک اور بے ایمان بتایا جاتا ہے۔ جو مخالفت و باہنی صاحبان کبھی سینما اور تھیٹر کے
لئے نہیں کرتے ہیں، حرام کاریوں اور بدافعالیوں کے لئے نہیں کرتے ہیں وہ کوشش محفل مبارک کے روکنے
کے لئے کی جاتی ہے۔ اس کا کیا باعث ہے؟؟

التزامی امور:

آپ مدرسے بنائیں، اس میں جماعتیں ترتیب دیں، ہر جماعت کے لئے ایک نصاب اور خاص ایک
پڑھانے والا مقرر کریں، اسباق کے لئے اوقات کی تعیین ہو، تعطیلات کے لئے ایام معین ہوں، ان پر التزام
ہو، امتحان کے لئے مہینہ مقرر ہو، امتحان کے لئے پرچے بنائے جائیں، نمبر دیئے جائیں، بعض کتابوں کا
تقریری امتحان لیا جائے، امتحان بلائے جائیں ان کے لئے تکلفات کئے جائیں، بعد امتحان تعطیل کی جائے،
سالانہ جلسے تاریخ کی تعیین و تداعی کے ساتھ کئے جائیں، ان کے لئے اشتہار چھاپے جائیں، طالب علموں
کی ایک نصاب معینہ مقرر کر لینے پر دستار بندیاں کی جائیں، دستاروں کے لئے ایک رنگ خاص مقرر کر لیا

اے مدرسہ کا نام دستار پر لکھوایا جائے۔ یہ تمام چیزیں زمانہ اقدس ﷺ میں کب تھیں؟؟؟ زمانہ صحابہ میں ان کا کہاں وجود تھا؟؟؟ زمانہ تابعین و تبع تابعین میں کب پائی گئیں؟

ان سب پر التزام ہے، پابندی ہے، موجب ثواب جانتے ہیں، داخل عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ بدعت کیوں نہیں؟ اس کی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی؟؟ مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیے لکھ کر تو چھاپنا بھی بدعت نہ ہو جو بہت سے ناجائز مبالغوں پر مشتمل ہے اور سید عالم ﷺ کے ذکر جمیل و بیان ولادت کی محفل بدعت ہو جائے؟

والتصاف:

جو حیلے حوالے میلاد مبارک اور عرس و فاتحہ، تجر و چہلم کے بدعت بنانے کے لئے تم پیش کرتے ہو، اس سے بدرجہا زیادہ خود آپ کے عمل میں ہیں۔ مگر نہ مدرسہ کو بدعت کہا جاتا ہے نہ دستار بندی کو نہ جلسہ سالانہ کو نہ عین اسباق کو نہ قوانین مدرسہ کو تو پھر کیا یہ ناجائز کا حکم غیروں ہی کے لئے ہے اور تم اس سے مستثنیٰ ہو؟

اتنے بڑے فرقے میں کوئی تو انصاف کرتا مگر معلوم نہیں قلوب کا کیا حال ہے؟ نور بجھ گئے اور نام کی نفی بھی باقی نہ رہی کہ دوسروں کے افعال کو جن وجوہ سے بدعت بتائیں، جنگ کی بنا ٹھہرائیں، اپنے آپ بے دریغ انہیں عمل میں لاتے چلے جائیں، ذرا نہ شرمائیں۔ یہ مسائل ایسے نہ تھے کہ لکھے پڑھے آدمی انہیں سمجھ نہ سکتے اور اصحاب عقل و خرد ان کو مورد بحث بناتے، یہ ایسی کھلی باتیں تھیں جن کو ہر سمجھدار انسان جان لیتا تھا کہ ان میں کوئی شائبہ عدم جواز کا نہیں ہے۔

میلاد مبارک کی محفل حضور سید الانبیاء ﷺ کی مقدس زندگی کے احوال کریمہ کا جاننا اور اس سے باخبر ہونا ایمان دار کے لئے اعلیٰ ترین سعادت ہے۔ حدیث شریف میں حضور ﷺ کے ذکر کو ذکر اللہ بتایا گیا۔ میں آپ کا نام نامی وصف رسالت کے ساتھ اس طرح داخل ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور ان کی توحید و بے مثالی کا منکر مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سے نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لانے والا اور آپ رسالت کا اقرار نہ کرنے والا بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا۔ جس ذات پر ایمان کا مدار ہے اور جس پر ایمان

لائے بغیر کفر کی ظلمتوں سے نجات نہیں مل سکتی اس کے احوال پاک کا بیان یقیناً شان احترام سے ہونا چاہیے اور وہ مجلس جو اس مقصد کے لئے منعقد کی گئی ہو۔ اس کو زیب و زینت دینا اور عوام میں با وقعت بنانا تقاضائے ایمان ہے۔

حضور ﷺ کا تذکرہ ذکر اللہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ ﴿ذکرک ذکرک﴾ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد باری ہے ﴿من ذکرک ذکرنی﴾ جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ ذکر الہی کی محفل کو حدیث میں جنتی چمنستان بتایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ﴿اذا مررتم برباض الجنة فارلغوا قالوا وما رباح الجنة؟ قال حلق الذکر﴾ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارا جنتی باغوں پر گزر رہو تو میوہ چینی کیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا جنتی باغ کیا ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ذکر کی محفلیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ میلاد مبارک کی محفلیں جن میں ذکر حبیب ہوتا ہے۔ جس کو حدیث شریف میں ذکر اللہ بتایا گیا وہ جنتی چمنستان ہیں۔ حدیثیں تو جنتی چمن بتائیں مگر معاند متعصب اس کو بدعت کہتے، ناروا پکارے۔ ہوش مند انسان متحیر ہوتے ہیں کہ ان پڑھے لکھے جاہلوں نے کس طرح ذکر حبیب ﷺ کی محافل متبرکہ کو ناجائز کہہ دیا، یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ جب دریافت کیا جائے کہ ان محافل کے ناجائز ہونے کا سبب کیا ہے اس وقت ان معاندین و متعصبین کو حیرانی و پریشانی ہوتی ہے۔

قیام:

اس سراسیمگی میں کبھی تو یہ کہہ گزرتے ہیں کہ ذکر شریف تو درست ہے مگر ذکر ولادت کے وقت قیام پر اعتراض ہے۔ مگر اس بات کو کوئی عاقل باور نہیں کر سکتا کہ قیام ناجائز ہے اور ناجائز بھی ایسا کہ محفل شریف ہی کو ناجائز کر ڈالے۔ اس لئے دریافت کیا جاتا ہے کہ قیام میں کیا مضائقہ ہے؟ اس کی ممانعت کہاں وارد ہوئی؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ذکر ولادت کے وقت قیام قرون ثلاثہ میں نہیں کیا گیا۔ اس کی اصل ثابت نہیں اس لئے یہ بدعت ہے مگر ان کی یہ بات ایک لالچی حیلہ اور بہانہ ہے۔

خود حضور سید عالم ﷺ کا حضرت خاتون جنت فاطمہ زہراء ﷺ کے لئے قیام فرمانا ثابت ہے۔ اس پر یہ لکھنا کہ ایک شخص موجود و حاضر کے لئے جو آنکھوں کے سامنے ہو اور سب کو نظر آتا ہے قیام کرنا درست ہے۔ مگر جو ایسا نہ ہو اور سب اس کو ایسا نہ دیکھتے ہوں اس کے لئے قیام شرک ہے۔ ایک بالکل بے حقیقت بات ہے کیوں کہ جو چیز شرک ہے وہ حاضر کے لئے غائب کے لئے سب ہی کے لئے شرک ہے۔ اس میں یہ تفریق نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی عظیم خبر کو سن کر جذبات شوق یا خوف کے ساتھ متاثر ہو کر کھڑا ہو جانا طبیعت انسانی کے لئے امر عادی ہے اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ رسول کریم ﷺ کی سنت بھی ہے چنانچہ جب آیہ کریمہ (اتی امر اللہ) نازل ہوئی تو حضور انور ﷺ کے قلب مبارک میں ایک جذبہ پیدا ہوا اور آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر سن کر بالخصوص ایسی مجلس میں جو حضور ﷺ ہی کے ذکر مبارک کے لئے منعقد کی گئی ہو اور حضور کی نعت مبارک سن کر دلوں میں محبت موجیں مارنے لگی ہو، ذکر ولادت سن کر جذبات میں ایک لہر آ جانا اور سرود کا اظہار ادب و تعظیم کے لئے مستعدی قیام ہونا کچھ بعید نہیں اور عین اس سنت کے مطابق ہے جو حضور کے قیام میں پائی گئی۔

نیز کسی عظیم الشان دینی ذکر کے سننے کے لیے اور اس کے احترام کے لئے قیام کرنا بھی سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سننے کے لئے قیام فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کے ذکر ولادت کا اور حضور کے بیان ظہور کا قیام تو خود اس سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بہ نفس نفیس منبر پر قیام فرما کر اپنی ولادت کریمہ کا ذکر کیا۔ اب قیام میں کیا اشتباہ ہے؟ کیا اعتراض ہے؟ کیا عذر ہے؟ کیا حیلہ ہے؟ کیا بہانہ ہے؟ کتنے وجوہ سے قیام ثابت ہے۔

اچھا تمہاری آنکھیں بند ہیں تمہیں یہ کچھ نظر نہیں آتا، احادیث تک تمہاری رسائی نہیں افعال کریمہ پر نظر نہیں، سیرت صحابہ سے واقفیت نہیں، بے خبر انسان ہو۔ اگر عقل و خرد کا دعویٰ ہے تو کچھ ہوش سے بھی کام لو

اور اتنا تو سوچو کہ قیام کرنے والا کس نیت سے قیام کرتا ہے؟ وہابیوں کو مارنے کے لئے اٹھتا ہے یا شیطانوں کو جلانے کے لئے اٹھتا ہے؟ یا مجلس سے چلا جانا اس کا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے اٹھنے کا مدعا کیا ہے۔ اگر تمہاری سمجھ اتنا بھی نہ بتا سکے کہ یہ لوگ اس وقت کیوں اٹھتے ہیں تو اس عقل پر ماتم کرو۔ کیوں کہ اتنی بات تو وہ لوگ بھی سمجھ لیتے ہیں جو کھلے کافر ہیں اور اسلام کے دعویدار نہیں۔ تمہاری سمجھ میں اگر یہ بھی نہ آئے میلاد خواں سے پوچھ لو۔ صاحب مجلس سے دریافت کرو، شرکاء مجلس سے سوال کرو۔

ہر شخص تمہیں بتا دے گا کہ یہ قیام بہ نظر تعظیم تھا۔ تو اب تم بتاؤ کہ تعظیم رسول اللہ ﷺ سے تمہیں کچھ عداوت ہے کہ اس کو ناجائز سمجھتے ہو؟ کیا قرآن وحدیث میں حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حکم نہیں دیا گیا؟ دیا گیا ہے اور ضرور دیا گیا ہے تو بتاؤ کہ تعظیم و توقیر کے لئے کوئی ادا خاص کر دی گئی اور طریقہ معین کر دیا گیا تعین کے دشمنو! اور تعین میں کلام کرنے والو! یہاں اپنے دل سے کیوں تعین کرتے ہو، جو طریقہ جس قوم میں تعظیم کا ہو، جو امر تعظیم کے لئے معروف ہو چکا وہ یقیناً تعظیم کا حصہ اور (نوقر وہ) کے حکم میں داخل دیکھو قرآن سے منحرف نہ ہو۔ جب تم مانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ضروری ہے تو کوئی وجہ ہے کہ قیام کا انکار کرتے ہو اب رہا یہ حیلہ کہ قیام تعظیمی جائز تو ہے لیکن مجلس مبارک میں فقط ذکر ولادت شریف ہی کے وقت قیام کیوں کیا جاتا ہے۔ اول سے آخر تک قیام کیوں نہیں کیا جاتا ایسے لغو حیلے امر جائز کو ناجائز نہیں کر سکتے۔ وہابیوں سے پوچھو کہ کیا کسی امر جائز کا ایک معین وقت میں کرنا اور دوسرے اوقات میں نہ کرنا ناجائز کر دیتا ہے۔ اگر ہاں کہیں تو دلیل لاؤ۔ کوئی آیت یا حدیث سناؤ، محض اپنی رائے فاسد و خیال کا سے کسی جائز کو ناجائز مت ٹھہراؤ۔ شریعت کسی کے خیال کا نام نہیں ہے۔ وہ بے چارے مجبور ہوں گے کوئی دلیل نہ دے سکیں گے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ان کا دعویٰ جھوٹا تھا اور امر جائز کو کسی وقت معین میں ناجائز نہیں کر سکتا۔

اس مضمون کو وہابیہ کے ذہن نشین کر دو۔ فقہ وحدیث کا درس مدرسوں میں جماعت بندی کے ساتھ تمہارا معمول ہے جائز ہے، موجب ثواب ہے تو فقط دن ہی میں مدرسے کیوں کھلتے ہیں، رات میں

کیوں نہیں ہوتا؟ اس تعیین پر کوئی آیت یا حدیث ہے؟ نہیں ہے تو کیا اس تعیین سے وہ امر جائز، ناجائز ہو گیا؟ اسی طرح جمعہ کے سوا باقی ایام میں سبق پڑھانا جمعہ کو نہ پڑھانا، ایسے ہی رمضان شریف میں مدرسہ کو بند رکھنا۔ اس تعطیل کے لئے جمعہ و رمضان کی تخصیص و تعیین کیا اس کو ناجائز کر دیتی ہے؟ کرتی ہے تو تم سب اس کے مجرم ہو، نہیں کرتی تو قیام پر تمہارا اعتراض ایسی جاہلانہ ہٹ ہے جس کی خود تمہارے عمل تکذیب کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ بخاری شریف کی ہر ایک حدیث لکھنے کے لئے غسل فرماتے، دو رکعت نماز پڑھتے تب لکھتے۔ مولود قیام سے چڑنے والے وہابی بتائیں کہ ان کا یہ فعل بدعت تھا یا نہیں؟ کبھی صحابہ یا تابعی یا تبع تابعی نے بھی ایسا کیا تھا؟ قرون ثلاثہ میں یہ عمل پایا گیا تھا؟ جب ایسا نہیں ہے تو بقول تمہارے بدعت کیوں نہیں ہوا؟ اس سے بھی قطع نظر کر کے وہی قیام والا سوال کرو کہ اگر حدیث لکھنے کے لئے نیا غسل اور دو رکعت نفل جائز ہو تو پھر بخاری ہی لکھتے وقت ایسا کرنے کی کیا تخصیص تھی۔ جب بھی حدیث شریف لکھتے تھے ہمیشہ ہی ایسا کیوں نہیں کیا کرتے تھے؟

امام مالک رحمہ اللہ جب رسول کریم ﷺ کی احادیث بیان فرماتے تھے تو مجلس آراستہ کی جاتی، بہترین فرش بچھائے جاتے، نفیس مسند لگائی جاتی، خود امام صاحب عمدہ پوشاک پہنتے، عطر لگاتے، خوشبوئیں مہکائی جاتیں۔ یہ اہتمام ان کی مجلس حدیث کے لئے ہوتا۔ تمہاری بدعت کہاں تک چلے گی؟ مگر بات یہ ہے کہ یہ آنکھ والے تھے، قدر رفیع اور منزلت علیانی کریم ﷺ کی انہیں معلوم تھی۔ آداب سے واقف تھے تو حضور ﷺ کی ایک ایک حدیث کے لئے یہ اہتمام کرتے تھے۔ تم بھی اگر کچھ باخبر ہوتے اور حبیب رب العالمین ﷺ کے مرتبہ کو کچھ پہچانتے تو ذکر میلاد مبارک کی محفل اور تعطیسی قیام میں پس و پیش نہ ہوتی۔

نعت خوانی:

ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر ولادت و قیام تو سب درست ہے لیکن اس میں نظمیں پڑھی جاتی ہیں یہ جاوہر نہیں۔ یہ حیلہ بھی بے کار ہے۔ نظم کوئی ناجائز چیز نہیں اور بالخصوص نعت شریف کی نظم حضور اقدس ﷺ کے دربار میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نعت شریف کی نظمیں پڑھتے تھے اور آقا کریم ﷺ ان کے لئے

دعائیں فرماتے تھے ﴿اللهم ابدہ بروح القدس﴾ تو اب نظموں پر کیا اعتراض رہا؟ حضور کی مجلس شریف میں پڑھی گئیں۔ حضور نے پڑھنے والے کے حق میں دعائیں فرمائیں۔ کیا ایسا امر بھی ناجائز اور بدعت ہو سکتا؟ اس کی کہاں شریعت میں ممانعت وارد ہے؟ یا دین کے مسائل میں تمہیں کوئی ایسا اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ جس امر کو چاہو محض اپنی رائے سے ممنوع و ناجائز قرار دے لو۔ ایسے حکم دینا، ایسا ناجائز بتانا یہی ﴿احداث فی الدین﴾ اور یہی بدعت ہے۔ یہ تمہیں کیا خبر ہوگی کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خندق کھودتے جاتے تھے اور آوازیں ملا کر ایک ساتھ حضور اقدس ﷺ کی نعت شریف اور اپنی جاں نثاری کی نظمیں پڑھتے جاتے تھے۔ معترضین آواز ملانے کو بے دلیل ممنوع کہتے ہیں۔ دراصل یہ فعل صحابہ پر اعتراض ہے اور خاص اس فعل پر جو حضور ﷺ کے سامنے ہوا۔

شیرینی:

اب آپ کا صرف یہ اعتراض باقی رہ گیا کہ بعد ختم شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا تقسیم شیرینی کوئی حرام اور ممنوع ہے؟ شریعت میں کہیں اس کی ممانعت وارد ہوئی؟ ہدایہ اور ضیافت کا زمانہ اقدس میں معمول تھا۔ حضور ﷺ نے اس کا حکم فرمایا۔ سرور کے وقت ضیافتیں اور احباب و اقارب میں تقسیم طعام یا شیرینی سنت صحابہ ہے۔ جا بجا اس کے تذکرے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ختم قرآن کے بعد اونٹ ذبح فرما کر ہدیہ احباب کیا۔ ایک دو کیا صد ہا مثالیں عہد کرامت عہد میں ملتی ہیں۔ آپ کے یہاں جو بخاری شریف کا ختم اور اس میں تقسیم شیرینی کا معمول ہے وہ کبھی آپ کو نہ کھٹکا۔ اس پر کبھی بدعت ہونے کا حکم نہ لگایا۔ زمانہ اقدس میں کبھی اس طرح ختم کیا گیا تھا؟ اس میں شیرینی تقسیم ہوئی تھی؟ بہر حال کوئی ادنیٰ سی وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے کوئی عاقل، منصف مجلس میلاد کو ناجائز تو کیا غیر مستحب بھی سمجھ سکے۔ ایسی حالت میں اس کو مورد بحث بنانا اور ذریعہ جدال قرار دینا اور اس حیلہ سے مسلمانوں کو برا کہنا اور جماعت میں تفرقہ ڈال دینا شیطانی فعل نہیں تو کیا ہے؟؟؟





عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع لحيان منبراً في المسجد يقوم عليها قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أو ينافح ويقول رسول الله ﷺ ان الله يوبد حسان بروح القدس ما فافح او فاخر عن رسول الله صلى الله على وسلم. (رواه البخاری) (مشکوٰۃ باب البیان والشعر، ص: ۴۱۰)

ترجمہ: ”حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھتے تھے اور حضرت حسان اُس پر چڑھ کر کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی شان کے بارے میں فخریہ اشعار پڑھتے یا حضور ﷺ کی طرف سے مشرکین کی جو کج جواب دیتے تھے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک حسان میری طرف سے مدافعت جواب دیتے یا میرے بارے میں فخریہ اشعار پڑھتے رہتے ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام ان کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

اس حدیث کو روایت کرنے والی ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نور نظر اور دختر نیک اختر ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ”ام رومان“ ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہجرت سے تین سال قبل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں نکاح فرمایا۔ شوال 2ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کا شانہ نبوت میں داخل ہو گئیں اور نو برس حضور اقدس ﷺ کی صحبت سے مشرف رہیں۔ امہات المومنین میں سب سے زیادہ بارگاہ رسالت میں محبوب ترین تھیں۔

فقہ وحدیث کے علم میں ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ دو ہزار دوسو دس احادیث انہوں نے حضور ﷺ

سے روایت کی ہیں۔ ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوتھ حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف امام مسلم نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ حضرت نبی بی عائشہ رضی اللہ عنہا روزانہ تہجد پڑھنے کی پابند تھیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ فقہ وحدیث کے علوم کے علاوہ میں نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو اشعار عرب کا جاننے والا بھی نہیں پایا۔ آپ کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔

17 رمضان 57ھ یا 58ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری امہات المومنین کی قبور کے پہلو میں دفن کیا۔ (اکمال وحاشیہ اکمال وغیرہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ):

یہ دربار رسول ﷺ کے خاص الخاص شاعر اور مداح رسول ہیں۔ ان کی کنیت ابو الولید ہے۔ ان والد کا نام ”ثابت“ دادا کا نام ”منذر“ اور پردادا کا نام ”حرام“ ہے۔ ان چاروں کے بارے میں ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ ان چاروں کی عمریں ”ایک سو بیس“ سال ہوئیں جو عجائبات عالم میں سے ہے۔

(حاشیہ بخاری بحوالہ کرمانی، ج: 2، ص: 94)

حضرت حسان کی ایک سو بیس برس کی عمر میں سے ساٹھ برس جاہلیت میں اور ساٹھ برس اسلام گزرے۔ یہ انصار کے قبیلہ ”خزرج“ سے تعلق رکھتے ہیں اور شعراء عرب میں بہت مشہور ہیں۔ بلکہ عبیدہ نے یہاں تک فرمایا کہ عرب کے شہری شاعروں میں یہ سب سے اونچے درجہ کے شاعر ہوئے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 40ھ سے قبل آپ کی وفات ہوئی۔ (اکمال فوائد ومسائل مذکورہ حدیث:

① یہ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ یہ حدیث ان وہابیوں اور دیوبندیوں کے لیے تازیانہ و

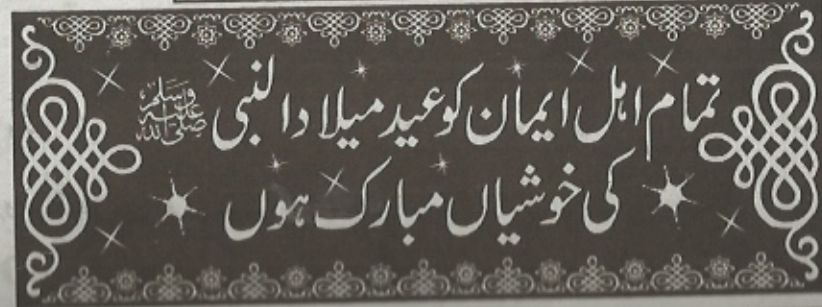
ہے جو ہم سینوں کی محفل میلاد شریف یا نعت خوانی کی مجالس کا مذاق اڑاتے اور ہم پر پھبتیاں کتے رہتے ہیں کہا کرتے ہیں کہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ لوگ جتنی دیر تک میلاد شریف پڑھتے یا نعت خوانی کرتے رہتے ہیں اتنی دیر تک قرآن شریف کی تلاوت کریں۔ ہم کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے اجر و ثواب پر ہمارا مان ہے مگر خدا کے لیے علماء دیوبند کا کوئی بڑے سے بڑا ”محدث“ مجھ کو بتا تو دے کہ کیا تلاوت قرآن کے بے بھی کبھی حضور اکرم ﷺ نے یہ اہتمام فرمایا کہ کسی قاری یا حافظ کے لیے خاص طور پر مسجد نبوی میں منبر لایا ہو اور وہ قاری یا حافظ جب قرآن پڑھ رہا ہو تو حضور ﷺ نے اس کو یہ فرما کر داد دی ہو کہ جبریل

ن ﷺ اس کی مدد کر رہے ہیں؟

② مجھے امید ہے کہ اگر یہ لوگ بخاری کی اس حدیث کو دیدہ عبرت سے دیکھیں گے اور ان میں نورِ اہل بیت کی ادنیٰ سی کرن بھی ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے بند دروازے کھل جائیں گے اور وہ شریف اور نعت خوانی کی اہمیت کا اعتراف کر کے یا تو خود بھی ان محفلوں کی کو سنت سمجھ کر ان میں شرکت کرنے لگیں گے یا کم از کم ان محفلوں کی برائی اور مذاق اڑانا چھوڑ دیں گے۔ اگر خدا نخواستہ ان کے دلوں پر موت کی مہر ہی لگ چکی ہو تو یہ ایک حدیث پوری حدیثوں کے دفتر اور پورا قرآن بھی ان کے لیے ذریعہ تمہید بن سکتا۔

تمہید سنان قسمت را چہ سودا ز رہبر کامل

کہ ”خضر“ از آب حیواں، نقشہ می آرد سکندر را



مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے

واصف علی واصف

مبارک اہل ایمان کو کہ ختم المرسلین آئے
مبارک ہو کہ دنیا میں شہ دنیا و دیں آئے
کہ حسن ذات، دینے کے لیے ذوق یقین آئے
یہ روزِ گن سے بھی پہلے زمانے کی کہانی ہے
فتا زیرِ قدم، اُن کی بقا پر حکمرانی ہے
سراپا عشقِ حق بن کر حسینوں کے حسین آئے
وہی خم و طہ ہیں، مدثر ہیں مزل ہیں
امام الانبیاء ہیں، نور ہیں، انسان کامل ہیں
دلوں کو نور دینے کے لیے نور میں آئے
دم عیسیٰ، پد بیضا سے آگے ہے مقام ان کا
حیاتِ جاوداں دیتا ہے دنیا کو پیام ان کا
گناہ گارو نہ گھبراؤ شفیع المذنبین آئے
در و دیوار طیبہ کے خوشی سے جگمگاتے ہیں
ملائک حور و غلماں راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں
جبین آسمان جھکتی ہوئی سوئے زمیں آئے
دو عالم کے دلوں کو نور دیتا ہے جمال ان کا
یہ دن ان کا، چراغ ان کا، فراق ان کا، وصال ان کا
محمد ﷺ کی غلامی میں قلوب العاشقین آئے

☆ صلی اللہ علیہ وسلم

مبارک صد مبارک، بانی دین میں
چراغِ طور آئے، زینتِ عرش بریں آئے
مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے
دو عالم میں محمد ﷺ کا نہ تھا ثانی، نہ ثانی
محمد ﷺ کے غلاموں تک کی ہستی جاودانی
مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے
وہ کرمنا بنی آدم کی تفسیرِ مکمل
خدا خود میرِ مجلس ہے محمد ﷺ شمعِ محفل
مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے
کلام اللہ کی تفسیر ہے گویا کلام ان
خدا ہی جانتا ہے کس قدر پیارا ہے نام ان
مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے
فضائیں رقص کرتی ہیں، پرندے چبھاتے
کہ سلطانِ زمانہ، دہر میں تشریف لاتے
مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے
یہ جاں ان کی، یہ دل ان کا، صفت ان کی، کمال ان کا
غلامِ کم ترین، واصف علی کو ہے خیال ان کا
مبارک ہر جہاں کو ”رحمة للعالمین“ آئے

بر عظیم پاک و ہند کا صوفیانہ تفسیری ادب

پروفیسر
صائم نعیم

قرآن پاک کا نزول اس وقت ہوا جب دنیا شرک، کفر اور بت پرستی کے اندھیروں میں گم ہو چکی تھی۔ انسان خود پرستی، تکبر و نخوت، ظلم و جور اور زر پرستی میں مبتلا تھا۔ اس پر آشوب، بے یقین، فساد سے بھرپور اور موسوں کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ہادی اعظم ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ انسان اُس رب کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے جو اول، آخر، ظاہر اور باطن ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس فریضہ کی انجام دہی شروع کی تو وہ مخاطبین جن کی اخلاقی حالت کے تذکرے، رنج کی کتابوں میں محفوظ ہیں اس بلند مقام تک جانچنے جو نوع انسانی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے مد انہی کا خاصہ اور امتیاز ہے۔ اس تزکیہ اور تہذیب کی تاکید جا بجا قرآن و سنت میں ملتی ہے۔ ارشاد بانی ہے ﴿قَدْ افْلَحَ مَنْ ذَكَهَا﴾

جب نفس انسانی مہذب ہو جائے اور معبود کے ساتھ اپنی عبدیت کے تعلق کو پہچان لے تو اس سے بودیت کے اس تعلق میں انتہائی اخلاص کا تقاضا کیا جاتا ہے جس کو حدیث و سنن میں ”احسان“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ﴿الاحسان: ان تعبد الله كانك تراه فان لم تکن اراه فانه يراك﴾

پس یہی تزکیہ اور احسان دین کا حاصل ہے جو عصر نبوت و صحابہ میں موجود تھا۔ اسی کو بعد کے ادوار میں تصوف کا نام دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں یہی اپنے موجودہ نام کے ساتھ اس لیے جو نہیں تھا کہ اس دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کے نام اور ملاحات وضع نہ ہوئی تھیں، ہر چند کہ ان کے اصول و کلیات موجود تھے۔ اسی طرح یہ شعبہ بھی موجود تھا

لیکن انہی شعبوں کی طرح کوئی مستقل نام نہیں رکھتا تھا۔ پھر ”صحابی“ کے لفظ میں جو عزت اور شرف ہے وہ کسی اور لفظ کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا وہ لفظ چاہے صوفی اور غوث ہو، مفسر، فقیہ یا محدث ہو۔

چنانچہ جب دور نبوی ﷺ سے بعد ہوتا گیا اور وہ صالح معاشرہ جس کی تربیت نبی ﷺ نے خود کی تھی اس میں وسعت آنا شروع ہوئی اور دوسری اقوام سے میل جول بڑھا تو دوسرے علوم و فنون (تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ) کی ترتیب و تدوین کے پہلو بہ پہلو اس فن کے حاملین نے بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تزکیہ اور احسان کے حصول کے وسائل و ذرائع کو ایک نظام کی شکل دے دی۔

لہذا لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف، صفا، صفہ یا صوفیا ہو، اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا اہم شعبہ ہے جس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ اس کی غایت اور مقصد تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الہی ہے۔ قرآن کریم میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیت اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث و سنت نبوی میں اسے احسان سے موسوم کیا گیا ہے۔

تزکیہ و احسان کے ثمرہ کے طور پر جب ایک مومن کا قلب رزائل سے پاک ہو کر فضائل سے مزین ہو جاتا ہے تو اس قلب سلیم کو اپنے معبود کے ساتھ نسبت اور وصول کی دولت حاصل ہو جاتی ہے اور اس قلب سلیم پر علوم اور معارف کا لقاء کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ایک صوفی جب کلام الہی کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر براہ راست ایسے نکات و معارف کا لقاء ہوتا ہے جس کی اس آیت کے ظاہری معنی و مفہوم سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی لیکن ان میں جمع و تطبیق ممکن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جہاں اہل علم کے ہاں کئی مناہج موجود ہیں وہاں ایک منہج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے جس میں ایک صوفی کلام الہی کی ظاہری تفسیر جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے کو مرکز و محور بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف بیان کرتا ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں اور اُس کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہیں۔

الفاظ قرآنیہ پر غور و فکر کے دوران صوفیا کا قلب جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف عبور کرتا

اُس وقت یہ لطائف و نکات ان کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر شخص کا مذاق اس میں جداگانہ ہے مگر سب کا اتفاق ہے کہ علوم و معارف وہ قبول ہوں گے جن کو شریعت رد نہ کرے۔

اس بوسلیمان درانی کا قول ہے ﴿ربما يقع في قلبي النكتة من نكت القوم اياما اقبل منه الا بشأ حدین عدلین الكتاب والسنة﴾ جب کبھی گروہ صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ میرے قلب پر وارد ہوتا ہے تو میں اسے کتاب و سنت کے دو عادل گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

صوفیاء کرام کے ان رموز و ارشادات کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿اذهاب الی فرعون انه طغی﴾ جس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سرکشی پر اس کے ہاں جانے کا کہا جا رہا ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیاء نے اس آیت کے ذیل میں لکھا کہ ﴿اذھب یا روح الی النفس جاهدھا انھا قاتلہ طغت﴾ ”اے روح! نفس کی طرف جا اور اُس سے جہاد کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے۔“

یہ مذاہب پر اس آیت قرآنیہ کا حقیقی مدلول تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ہی ہے جس کا اعتراف حضرات صوفیاء بھی کرتے ہیں۔ لیکن محض نظیر اور تشبیہ کے طور پر انہوں نے بیان فرمادیا کہ اس آیت سے یہ مفہوم بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اندر بھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مشابہ دو چیزیں روح اور نفس ہیں، یعنی ایک داعی الی الخیر اور دوسرا داعی الی الشر۔ پس تو اپنی روح جو داعی الی الخیر ہے کو اپنے نفس جو داعی الی الشر ہے پر غالب کر کہ وہ نفس حد سے نکلا جا رہا ہے اور احکام الہی کی بجا آوری میں کوتاہی کر رہا ہے۔ لہذا مذکورہ صدر مثال جیسے نکات و معارف ہیں جو صوفیائے کرام کے قلوب پر مطالعہ قرآن کے دوران منکشف ہوتے ہیں۔

صوفیاء کرام کے بیان کردہ ان لطائف و نکات کو تفسیر صوفیاء، تفسیر فیضی، تفسیری اشاری اور علم الاعتبار کی اصطلاحات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آیات قرآنیہ کی اشاری تفسیر صرف صوفیاء نے ہی نہیں کی بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ﴿اذا جاء نصر اللہ﴾ کے معانی و مفہم کے بارے میں صحابہ

کرام سے استفسار کیا تو کچھ صحابہ نے فرمایا کہ اس آیت میں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ نے سکون فرمایا جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے ظاہری پردے کے بارے میں اطلاع دی گئی ہے۔ اسی طرح ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ الخ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ظاہری پردے کے معانی ہی اخذ کیے تھے۔

لہذا ان دلائل کی مدد سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ا باطنی معانی سے دانش و بصیرت کی خصوصی اور خدا داد صلاحیت رکھنے والے ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے عجائب ختم نہ ہونے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کہ میں چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ دوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کے باطنی مفہوم میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔

فہم قرآن میں ہر کسی کا ذوق اور فہم ایک جیسا نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر حضرات صوفیاء کے اشارات ہر کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تفسیر صوفیاء کو فرقہ باطنیہ کی باطل تاویلات سے خلط ملط کر کے ان پر طعن و تشنیع کی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ فرقہ باطنیہ نے الفاظ قرآنیہ کے حقیقی معانی کو کسی دل اور قریبے کے بغیر دوسرے معانی پر محمول کیا ہے۔ ان کی دعوت کا سارا زور اس بات پر ہے کہ قرآن و سنت کے کچھ ظاہری معانی ہیں جن کی حیثیت چھلکے اور پوست کی سی ہے۔ جبلاء صرف ظاہری معانی کو جانتے ہیں حقائق کو صرف عقلاء جانتے ہیں۔ جو رموز و اشارات ہیں ان کا علم صرف اہل اسرار کو ہے۔ یہ تحریف دین کا راستہ ہے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو عقائد دینیہ اور احکام شرعیہ تبدیل ہو جائیں گے۔

اسی طرح وہ مبتدعین جو کلام الہی کے معانی بیان کرنے میں جمہور کے ہاں موجود مسلمہ اصول و قواعد پابندی نہیں کرتے ان کی تاویلات بھی گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ ان میں کچھ خالی متصوفین بھی شامل ہیں جن کے بیان کردہ نکات کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ قبل ازیں اسی بحث میں ابوسعید دارثی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ نکات و معارف وہ مقبول ہیں جن کی تائید کتاب و سنت سے ہو جائے۔ اگر قرآن مجید کو فرقہ باطنیہ مبتدعین کی طرح من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ

سکتی ہے۔ محققین صوفیاء نے جمہور کے نزدیک کلام الہی کے معانی متواترہ اور مفہیم متوارثہ سے انکار نہیں کیا بلکہ احکام شرعیہ اور قرآن حکیم کی ظاہری تفسیر کو مرکز و محور بناتے ہوئے ایسے نکات بیان کیے ہیں جو ان کے قلوب پر وارد ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کلام الہی کی تفہیم و تعبیر میں اس علم کی مسلمہ اہمیت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ یہ موضوع اپنی اہمیت کے پیش نظر جس توجہ کا متقاضی تھا وہ اس کو نہ مل سکی۔

صوفیاء کی تفاسیر جہاں تاریخی اہمیت کی حامل اور علم تفسیر کے ارتقاء میں ایک خاص پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صوفیاء کی تفسیر اصلاح باطن، تزکیہ نفس اور ازالہ رذائل کی اہمیت اور عملی زندگی میں ان کی ضرورت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسانی معاشرہ کبھی بھی اس ضرورت سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔ محققین صوفیاء کے منہج تفسیر سے انہی کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

زیر نظر مقالہ میں برصغیر کی چند منتخب صوفیاء کی تفاسیر کے منہج کو بیان کیا جائے گا۔ ان کی ادبی، لسانی اور دیگر خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا۔

برصغیر میں صوفیاء کرام و اولیاء عظام کا سلسلہ تبلیغ دین بڑی کامیابی اور جوش و خروش کے ساتھ تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا جس کے نتیجے میں یہ خطہ نور اسلام کی تابانیوں سے روشن و منور ہو گیا۔ ان صوفیاء کرام کی خانقاہیں، مساجد اور مدارس تعلیم و تربیت کے نہایت اہم مراکز تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ حاکمان وقت اور امراء و رؤساء ان مراکز میں بڑے ادب سے حاضر ہوتے اور مشائخ کرام انہیں پند و نصائح سے نوازتے۔ ان صوفیاء میں سے اکثر اصحاب لوح و قلم تھے۔ انہوں نے اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت کے لیے انتہائی اعلیٰ درجے کی کتب تصنیف کیں۔ کئی دانش مند مریدوں نے اپنے مشائخ کے ملفوظات و ارشادات کو قلم بند بھی کیا۔ ﴿جاری ہے﴾



وہ حبیب خدا، شاہ ہر دو سرے سید المرسلین، خاتم الانبیاء
جس پہ بھیجے درد، رب ارض و سما مقتدی جس کے ہیں انبیائے کرام
اُس پہ لاکھوں کروڑوں درد و سلام
جس کی خاطر بنائے گئے ہیں جہاں جس کے دیکھے سے آجائے تن من میں جاں
جس کی نظروں میں ہے وسعت لامکاں جس کے مرہون منت ہیں عالم تمام
اُس پہ لاکھوں کروڑوں درد و سلام
آج آیا باطن جو پہلے سے تھا جس سے پہلے نہ کوئی بھی پیدا ہوا
جو کہ ٹھہرا فقط مقصد و مدعا نور کو جس کے حاصل ازل سے دوام
اُس پہ لاکھوں کروڑوں درد و سلام
اُس کے سر پہ سجا تاج ختم المرسل سرور دو جہاں، قاسم جزو و کل
جس کی آمد ہر سو کھلے گھل کے گل کر دیا جس نے انسان کو ذی احترام
اُس پہ لاکھوں کروڑوں درد و سلام
سید الاولیں، سید الآخرين کیوں نہ اس کو کہیں زیب عرش پر
جو کہ رحمت جہانوں کی ہے بالیقین جس کے ہاتھوں میں ہے مغفرت کا نفا
اُس پہ لاکھوں کروڑوں درد و سلام
اُس کی عظمت کے نغمے سنانا بجا اُس کی ناموس پر سر کشنا

جس کی خاطر بنے ہیں یہ ارض و سما سر کٹاتے ہیں جس پر خواص و عوام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

زمینت رنگ و بو، رونق ما و تُو اُس کے دم سے عبادت رہی خوبرو

جس سے قائم ہوئی ہر طرح آبرو کر دیا جس نے پیغام الفت کو عام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

نور ہی نور جس کی جبلت میں ہے ہر طرح کی اماں جس کی ملت میں ہے

دور جو بھی رہے اُس سے، ذلت میں ہے غفو اور درگزر جس کی سیرت تمام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

جس پہ قرباں کریں اہل دیں اپنی جاں اُس کا ہمسرا رے ڈھونڈتے ہو یہاں

جس کا سایہ نہیں پھر بھی ہے سائبان بعد رب العلیٰ جس کا ارفع مقام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

اُس کی آمد سے پہلے عجب رنگ تھا قافیہ شرافت بہت تنگ تھا

جس کی بعثت سے سب کو ملا ڈھنگ تھا جس نے سب کو پلائے اخوت کے جام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

حشر میں بخشوانا ہے زیبا اُسے پار بیڑا لگانا ہے زیبا اُسے

بے بسوں کو نبھانا ہے زیبا اُسے بے سہاروں کے آئے جو مشکل میں کام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

ہم غریبوں کا سچا وہ غم خوار ہے روز محشر کا شافع ہے، مختار ہے

اک وہی ہر گھڑی ہم کو درکار ہے جس کے صدقہ میں کھاتے ہیں سب ہی غلام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

زندگی بھی وہی لطف اندوز ہے یاد میں اُس کی گم جو شب و روز ہے

جس کی ہر گفتگو درس آموز ہے جس کی ہر ادا حسن سے ہم کلام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

نعت میں جب خدا خود ہے رطب اللسان نعت کیسے کہے مجھ سا کج بیباں

جس کے پیکر کا قرآن ہے ترجمان جس کی توصیف ہے اہل ایمان کا کام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

اُس کی مدحت سے بڑھ کر کوئی شے نہیں اُس کی اُلفت سے بڑھ کر کوئی عے نہیں

اُس کا ہمسر جہاں میں کہیں ہے نہیں جس کی خاطر ہوا دو جہاں کا قیام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

اپنے دشمن کی بھی خیر خواہی کرے اُس کے دامن میں آکر کوئی نہ ڈرے

بے کسوں، بے بسوں کی وہ جھولی بھرے مستقل، تا ابد جس کا ہے لطف عام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

ظلم کا ہر طرف منہ ہے پھیلا ہوا آدمی، آدمی سے ہے سہا ہوا

کون اُس کے سوا کب ہے اپنا ہوا امن اور آشتی جس کا ٹھہرا پیام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

آنکھ ہر دم چھلکنے کو تیار ہے دل کو پیہم تڑپنے سے ہی پیار ہے

حاصل دو جہاں اُس کا دیدار ہے راحت العاشقیں جس کا ہے ایک نام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

بے زبانی میری پاس ہے دُور ہے زندگانی کہ ہر غم سے معمور ہے

ہجر میں جس کے مجھ سا بھی مہجور ہے یاد میں جس کی روتا ہوں میں صبح و شام

اُس پہ لاکھوں کروڑوں درود و سلام

محبت رسول ﷺ
ایمان کی شرط اولین

سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ایمان کی شرط اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے حبیب ﷺ کی محبت لازم فرمادی ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے باب حب الرسول من الایمان کا عنوان قائم فرما کر دو روایات نقل کی ہیں۔

① ﴿عن ابی ہریرہ ان رسول اللہ ﷺ قال والذی نفس بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ﴾ (بخاری شریف، کتاب الایمان) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ جانے۔

② ﴿عن انس قال قال رسول الله لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين﴾ (بخاری شریف، کتاب الایمان) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

امام بخاری نے باب ”حلاوة الایمان“ کے تحت یہ روایت نقل فرمائی ہے ﴿عن انس عن النبی ﷺ﴾
 قال ثلث من كن فيه وجد حلاوة الایمان ان يكون الله رسول الله ورسول احب اليه مما
 سوا مما وان يحب المرء لا يحبه الا الله وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان
 يقذف في النار ﴿صحیح بخاری کتاب الایمان﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
 کریم ﷺ نے فرمایا تین چیزیں جس میں ہوں وہ ایمان کی شیرینی اور لذت کو پالیتا ہے ❶ جس کو اللہ و

رسول سارے عالم سے پیارے ہوں ② جو کسی بندے کو خاص اللہ کے لیے محبوب رکھتا ہو ③ جو اسلام کو
کرنے کے بعد اس سے پھرنے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔
ان صحیح مرویات سے یہ امر ثابت ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہر مسلم کے لیے لازم
ہے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نبی مکرم ﷺ کی محبت کو سب طبعی محبتوں پر فوقیت دینا بھی ہر مسلم پر لازم
آپ کی محبت کی فوقیت کے بارے میں قرآن مجید میں تصریح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنََهَا الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ (پ: ۱۰، سورہ توبہ) تم فرماؤ کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہاری عورتیں اور تمہاری کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

شفاء شریف میں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لیے یہ آیت کافی ہے۔ نیز یہ امر بھی واضح کرتی ہے کہ جو شخص ماں باپ، بہن بھائی، بیٹا بیٹی، خواہ قبیلہ، مال تجارت، مکان اور ہر چیز سے بڑھ کر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طبعی محبت پر فوقیت نہ دے وہ بندہ کے عذاب کا مستحق ہے۔

قرآن مجید کی آیت کریمہ اور احادیث رسول سے یہ امر خوب روشن ہو کہ ایمان حضور ﷺ کی محبت نام ہے۔ جتنی عبد مومن کے دل میں رسول اللہ ﷺ محبت ہوگی اتنا ہی ایمان ہوگا۔ جس شخص کے ہاں رسول کامل نہیں اس کے ہاں ایمان بھی کامل نہیں۔ معاذ اللہ! اگر محبت بالکل نہیں تو ایمان بھی ہرگز نہیں۔ اصحاب لغت نے محبت کا معنی ”میلانِ قلب“ لکھا ہے جس سے مراد دل کی توجہ ہے۔ قرآن

حدیث رسول میں جو حکم ہوا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلم پر فرض ہے کہ اللہ جل شانہ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف اپنے دل کی طرف توجہ رکھے۔

اب نجدیت کا چر بہ اسماعیل دہلوی کی فکر کے متبعین سے میرا سوال ہے کہ اسماعیل دہلوی نے صراط مستقیم حضور ﷺ کی طرف توجہ لگانے پر جو مغفلات نکالی ہیں انہیں بھی نظر کریں تاکہ فیصلہ میں آسانی ہو۔ اسماعیل دہلوی اور اُس کے متبعین جس کی طرف توجہ کو شرک قرار دیتے نہیں تھکتے اللہ جل شانہ نے اس ذات کریم کی طرف توجہ کرنے کا ہر مومن کو مکلف کر دیا اور اُن کی طرف توجہ کو دین و ایمان کا رکن بنا دیا ہے۔

حضور سرور کونین ﷺ نے اپنے چاہنے والوں کو کیا خوشخبریاں دی ہیں ملاحظہ فرمائیں:

● ایک شخص حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا تُو نے مت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کی میں نے زیادہ نمازیں پڑھیں نہ زیادہ روزے رکھے اور نہ زیادہ صدقہ دیا۔ لیکن احب اللہ ورسولہ قال انت مع احببت (صحیح بخاری و صحیح مسلم) لیکن میں اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تُو اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔

● حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ﴿من احببني كان معي في الجنة﴾ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف) جسے میرے ساتھ محبت ہوگی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

● نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے بارے میں جو کسی کو محبوب رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے غافل ہو جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ﴿المر مع من يحب﴾ بندہ اسی کے ساتھ ہوگا جو اس کا محبوب ہے۔ (صحیح بخاری، ابوداؤد، جامع ترمذی، نسائی)

● حضور نبی مکرم ﷺ کے ساتھ محبت کی علامات میں سے یہ بھی علامت ہے کہ جن سے حضور ﷺ کو

ت ہے ان سے بھی مومن کو محبت ہو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ﴿ان النبي ﷺ اخذ

يد حسن وحسين فقال من احبني واحب هذين وانا هما وامهما كان معي في درجتي

م القيمة﴾ (جامع ترمذی شریف، کنز العمال ج: ۱۳) حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کو مجھ سے محبت ہے اور ان دو (حضرات حسین) اور ان کی ماں (سیدہ فاطمہ) اور ان دو کے باپ (سیدنا علی المرتضیٰ) سے محبت ہے وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا۔

● حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ﴿ان رجلا اتى النبي ﷺ فقال يا رسول الله لانت احب الي من اهلي ومالي اني لا ذكرك فما اصبر حتى اجنسى فانظر اليك واني ذكرت موتى وموتك فعرفت انك اذا دخلت الجنة رفعت من النبيين وان دخلها لاراك فانزل الله تعالى ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا فدعا ربه وقراها عليه﴾ (شفاء شریف، جلد ۲: الطبرانی) ایک مرد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے میرے اہل اور مال سے زیادہ پیارے ہیں بے شک میں آپ کو یاد کرتا ہوں تو مجھ سے رہائش جاتا تو آپ کے دنیا سے ظاہری پردہ کو یاد کرتا ہوں۔ میں جب اپنی موت اور آپ کے دنیا سے ظاہری پردہ کو یاد کرتا ہوں تو یہ سوچتا ہوں کہ آپ جب جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ مقام پر ہوں گے۔ اگر میں جنت میں داخل بھی ہوا تو آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی ”جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ وہ انعام والے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں ان کی رفاقت کتنی اچھی ہے۔“ حضور ﷺ نے سوال کرنے والے کو بلایا اور اس کی تسلی کے لیے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ سوال کرنے والا حضور ﷺ کا غلام ثوبان تھا اور بعض نے لکھا کہ عبداللہ بن زید تھے۔

علماء ربانی اہل اللہ اولیاء کی تصریحات کے مطابق محبت کی ایک علامت محبوب کا ذکر خیر کثرت سے

کرنا ہے۔ محبت کی دیگر علامات محبوب میں عیب دیکھنے سے اندھا ہونا اور محبوب کے عیب سننے سے بہرا ہونا ہے۔ ایک علامت محبوب کی اتباع کامل یعنی محبوب کے رنگ میں رنگ جانا ہے۔ ایک اور علامت محبوب کی مکمل اطاعت ہے یعنی محبوب کے احکام کے مقابلے میں اپنی خواہشات اور اپنی مرضی کو قربان کرنا ہے لیکن کامل محبت محبوب کے دوستوں سے دوستی رکھنا اور محبوب کے دشمنوں اور گستاخوں سے دشمنی اور نفرت رکھنا ہے۔

تعجب ہے محبت کے ایسے دعویداروں پر جو رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود آپ کے گستاخوں سے گھٹا ملتا ہے۔ ان سے رشتہ و ناظر رکھتا ہے، ان سے پیار رکھتا ہے، ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتا ہے اور ان گستاخوں کو مسلم جانتا ہے۔ ایسا دوغلا یقیناً محبت میں جھوٹا ہے اور حضور ﷺ کے سچے اور بھولے بھالے غلاموں کو فریب دیتا ہے۔

نور الہ کیا ہے محبت حبیب کی

جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک و خر کی ہے



پانی اللہ کی نعمت

پانی پینے کا صحیح وقت: یعنی جب پانی جسم پر بہتر اثر کر سکتا ہے۔

1 گلاس پانی صبح اٹھنے کے بعد اندرونی اعضاء کو چست کرتا ہے۔

1 گلاس پانی نہانے کے بعد بلڈ پریشر کم رکھتا ہے۔

2 گلاس پانی کھانا کھانے سے 30 منٹ قبل ہاضمہ بہتر بنانے میں مدد دیتے ہیں۔

1/2 گلاس پانی سونے سے پہلے ہارٹ اٹیک اور دماغی بیماریوں سے بچنے کے

لیے مفید ہے۔

بے ادبی اور گستاخی کے نقائص اور ضرر

● از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لطف رب
مولانا روم فرماتے ہیں کہ ہر وقت ہماری دعا و تمنا اللہ تعالیٰ سے یہی ہے کہ ہم کو ادب کی توفیق دے۔
اس واسطے کہ بے ادب لطف رب سے محروم رہتا ہے۔

● بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
اور اگر فقط یہی ہو کہ وہی محروم رہے تو رہے بلا سے سو یہ نہیں بلکہ اُس کی بے ادبی تمام جہان کو پھونک
کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔

● ماندہ از آسمان در مے رسید بے شرا و بیج بے گفت و شنید
چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ آسمان سے اچھا خاصا بے کلفت پکا پکایا کھانا آتا تھا، بے خرید و فروخت نہ
کسی سے کہنا نہ سننا۔ وہ من و سلویٰ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿وَإِنزَلْنَا عَلَيْكَ
الْمَنَ وَالسَّلْوٰی﴾ کہ یہ بھی طعام ہی تھا۔

● در میان قوم موسیٰ چند کس بے ادب گفتند کو سیر و عذر
آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے چند بے ادب شخص کہہ اٹھے کہ ہم سے یہ ایک کھانا نہیں کھا
جاتا اور درخواست کی کہ ہمیں یہ چیزیں درکار ہیں۔ ﴿مَنْ بَقْلُهَا وَقِثَانُهَا وَفُومُهَا وَعَدْسُهَا
وَبَصْلُهَا﴾ یعنی ساگ پات اور کلزی اور گیہوں اور مسور اور پیاز وغیرہ۔

● منقطع شد خوان و ناں از آسمان ماند رنج زرع و بیل و داسار
پس اس بے ادبی سے خوان و نان کا آنا آسمان سے موقوف ہو گیا اور یہ بکھیرا کھیتی اور پھاڑہ و

حسبہ کا سر پر پڑا۔

● باز عیسیٰ چوں شفاعت کرد حق خوان فرستاد و غنیمت بر طبق الغرض او پر کی کیفیت موسیٰ علیہ السلام کے وقت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حسب درخواست حواریوں کے سفارش کی تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مفت کا خوان بر طبق اُن کو بھیجا۔ اس میں روٹیاں اور گوشت، خشک بریاں اور مچھلی، شہد، سرکہ، نمک، مرچ، پیاز، ایک ابر (بادل) کے نوری ٹکڑے میں رکھا ہوا اور ایک ٹکڑے سے چھپا ہوا آنے لگا۔

● ماندہ از آسماں شد عائدہ چونکہ گفت آنزل علینا ماندہ اور وہی خوان اُن پر عائد ہوا اور لوٹا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہم ربنا انزل علینا ماندہ (سورہ ماندہ، رکوع: 1) یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم پر خوان نازل کر۔

● باز گستاخاں ادب بگذاشتند چوں گدایاں زلہا برداشتند پھر گستاخوں بے ادبوں نے ادب چھوڑا اور فقیروں کی طرح دوسرے وقت کے لئے کھانا رکھنے لگے حالانکہ اس کی ممانعت تھی۔

● کرد عیسیٰ لا بہ ایشاں را کہ ایں دائم است و کم مگرد از زمین جب انہوں نے رکھنا شروع کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہایت نرمی سے کہا کہ ایسا مت کرو۔ یہ خوان ہمیشہ ہے، کبھی زمین سے کم نہ ہوگا۔

● بد گمانی کردن و حرص آوری کفر باشد نزد خوان مہتری یہ خوان نعمت الہی ہے۔ اس پر بند ہونے کی بدگمانی کرنا اور حریص بننا کفر ہے۔ کوئی کسی سردار کے خوان پر بھی ایسی بدگمانی نہیں کرتا۔

● زان گدا رویاں ما دیدہ ز آں در رحمت بر ایشاں شد فراز نان و خوان از آسماں شد منقطع بعد زان خوان نشد کس منقطع

انجام یہ ہوا کہ انہیں گدار و ندیدوں کی حرص سے وہ دروازہ رحمت کا جو اُن پر کھلا تھا، بند ہو گیا۔ وہ روٹی اور خوان آنا آسمان سے ایسا منقطع ہو گیا کہ پھر کوئی اُس سے فائدہ مند نہ ہوا۔

● ابر ناید از پے منع زکوۃ و زنا افتد و با اندر جہات دیکھو زکوۃ نہ دینے یا زنا کرنے کا وبال کس قدر شدید ہے کہ چند اشخاص کی حرکت سے عامۃ الناس بتلائے عذاب ہو جاتے ہیں حالانکہ سب لوگ زانی اور صاحب نصاب نہیں ہوتے، بلکہ شہر بھر میں قدرے قلیل۔ مگر جب زکوۃ نہ دینے کے وبال سے قحط پڑتا ہے تو انہیں قدر قلیل کی بدولت تمام شہر والے آفتِ بوج میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی چند زانیوں کے گناہ کی شامت سے سارا شہر بتلائے و با ہو جاتا ہے۔

● ہر چہ بر تو آید از ظلمات غم آں ز پیاکی و گستاخی است ہم الحاصل جو کچھ تجھ پر غم کے اندھیروں سے آئے وہ تیری ہی بے باکی اور گستاخی سے ہے۔

● ہر کہ گستاخی کند بر راہ دوست رہزن مرداں شد و نامرد اوست پس جو کوئی گستاخی راہ دوست میں کرے، یعنی جو راہ دوست کی نکالی ہوئی ہے اُس کے خلاف چلے وہ مردوں کا راہزن ہے۔ اُس کو دیکھا دیکھی اور لوگ بد راہ ہو جاتے ہیں اور وہ خود نامرد ہے کہ خلاف مردی کام کرتا ہے۔

● از ادب پُر نور گشتہ است ایں فلک و ز ادب معصوم و پاک آمد ملک ادب سے مراد یہ ہے کہ ہر امر کی حدود کو ملحوظ رکھا جائے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اس کی برکت سے فلک روشن ہو رہا ہے۔ یعنی جیسا حکم گردش کا مالک نے دیا ہے، ہمیشہ اُسی گردش پر چلا جاتا ہے، سر مو فرق نہیں کرتا۔ اپنے حسن انتظام کی بدولت دن کو آفتاب سے رات کو ستاروں اور مہتاب سے منور کرتا ہے۔ اسی ادب کی بدولت فرشتے معصوم و پاک ہوئے کہ جو فرمان مالک کا اُن کو ہے اُس کی بجا آوری میں مصروف ہیں کہ بغیر مرضی مالک کچھ نہیں کرتے۔

● بد ز گستاخی کسوف آفتاب شد عزایلی ز جرأت رد باب

گستاخی ایسی شوخی و بے ادبی کو کہتے ہیں کہ اس سے آفتاب جیسی روشن چیز سیاہ و تاریک ہوئی۔ جیسا کہ ام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے قاتلوں کے جرم کی شومی سے تین دن کسوف رہا۔ اسی گستاخی کی بنا پر عزرا زیل بحر لعنت میں ڈبو یا گیا کہ بعد حکم جدہ آدم علیہ السلام اُس نے دلیرانہ کہا: **انا خیر منه** **ملقنتی من نار و خلقتہ من طین** یعنی میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اُس کو مٹی سے۔ شیطان نے احکم الحاکمین کے حکم کو نہ مانا جس کے باعث لعنت کا طوق اس کے گلے میں ہمیشہ بٹھ کے لیے ڈالا گیا۔

تکبر عزرا زیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد
ترجمہ: تکبر نے شیطان کو ذلیل کیا اور لعنت کے قید خانہ میں اسے گرفتار کر دیا۔



مدفن انبیاء کرام علیہم السلام

- | | | |
|--|--|--|
| آدم <small>علیہ السلام</small> : سری لنکا | • نوح <small>علیہ السلام</small> : اُردن | • ہود <small>علیہ السلام</small> : یمن |
| صالح <small>علیہ السلام</small> : لبنان | • نوح <small>علیہ السلام</small> : عراق | • ابراہیم <small>علیہ السلام</small> : اسرائیل |
| اسحاق <small>علیہ السلام</small> : فلسطین | • یعقوب <small>علیہ السلام</small> : فلسطین | • یوسف <small>علیہ السلام</small> : فلسطین |
| ایوب <small>علیہ السلام</small> : عمان | • شعیب <small>علیہ السلام</small> : اُردن | • موسیٰ <small>علیہ السلام</small> : اسرائیل |
| ہارون <small>علیہ السلام</small> : اُردن | • داؤد <small>علیہ السلام</small> : اسرائیل | • سلیمان <small>علیہ السلام</small> : اسرائیل |
| یونس <small>علیہ السلام</small> : لبنان | • زکریا <small>علیہ السلام</small> : شام | • یحییٰ <small>علیہ السلام</small> : شام |
| اسماعیل <small>علیہ السلام</small> : مکہ مکرمہ | • نبی کریم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> : مکہ مکرمہ | |

﴿حافظ نعمان حسن، لاہور﴾



رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنی جیسی آپ کی زندگی میں واجب و لازم ہے ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پردہ کے بعد بھی واجب و لازم ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: **عن ابی بکر الصدیق قال لا ینبغی رفع الصوت علی نبی حیا ولا میتا** یعنی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آواز کو بلند کرنا نہیں چاہیے نہ زندگی میں اور نہ ہی ظاہری پردہ کے بعد۔

• روضہ مبارک کے قریب میخ گاڑنے پر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حکم:

☆ **رووی عن عائشة انها كانت تسمع صوت وتدیوتد والمسمار یغرب فی بعض الدور المتصلة بمسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فترسل الیہم لا تؤذوا رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اس کھوئی کی آواز جو مسجد نبوی کے ارد گرد گھروں میں گاڑی جاتی تھی اور اس میخ کی آواز جو ٹھوکی جاتی تھی سنتی تھیں۔ انہوں نے ان گھروں کے پاس کہلا بھیجا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔**

☆ **رووی وما عمل علی مصراعی بابہ بامناصع الاتوقیا لذلك وتادبا معہ** یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دروازے کے کواڑ اس وعید سے بچنے کے لئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے خاطر کپڑے کے بنائے ہوئے تھے۔

• مسجد نبوی میں چلا کر بولنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم:

مسجد نبوی میں اونچی بولنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں بلند آواز کرنے والوں

کو تنبیہ کی اور ڈانٹا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ﴿عن السائب بن یزید قال كنت قائما في المسجد فحصبني رجل فنظرت فاذا عمر بن الخطاب فقال اذهب فانتي بهذين فجئت بهما قال من انتما ومن اين انتما قال من اهل الطائف قال لو كنتما من اهل البلد لا وجعتكم ترفعان اصواتكم في مسجد رسول ﷺ﴾ (رواه البخاری) یعنی صحیح بخاری میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں ایک بار مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری۔ دیکھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہا جاؤ اور ان دو شخصوں کو لے آؤ۔ جب ان دونوں کو میں ان کے پاس لے گیا تو پوچھا تم کون ہو یا کہاں سے آؤ؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تم کو ضرور سزا دیتا۔ اس واسطے کہ تم مسجد نبوی میں آواز بلند کرتے ہو۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد نبوی میں کوئی شخص آواز بلند نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کرتا بھی تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا باوجود یہ کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ چنداں دُور نہ تھے مگر اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھے کہ حضور ﷺ وہاں بحیات ابدی تشریف رکھتے ہیں کیونکہ اگر لحاظ صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو ﴿فی مسجد رسول ﷺ﴾ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل شہر کے لئے خاص فرمایا جن کو مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی مسجدیں تھیں۔

● امام مالک کا خلیفہ ابو جعفر کو مسجد نبوی ﷺ میں چلا کر بولنے پر ڈانٹا:

امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت ابو جعفر کو مسجد نبوی میں اُن کے باواز بلند بولنے پر ڈانٹا چنانچہ در منظم میں ابن حجر بیہمی اور شفا میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما نے بہ سند متصل روایت کی ہے۔

﴿عن ابن حمید قال ناظر ابو جعفر امیر المومنین مالک فی مسجد رسول اللہ ﷺ فقال له یا امیر المومنین لا ترفع صوتک فی هذا المسجد فان الله تعالى ادب قوماً

فقال لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ومدح قومافقال لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ومدح قومافقال ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله الایة وذم قوما فقال ان الذین ینادونک من وراء الحجرات، وان حرمتہ میتا کحرمتہ حیا فاستکان لها ابو جعفر وقال یا ابا عبد الله استقبل القبلة وادعوا ام استقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لم تصرف وجهک عنه وهو وسیلتک ووسيلة ابیک ادم علیه السلام الی الله يوم القيمة بل استقبله واستشفع به فیشفعک الله وقال الله تعالی ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول الایة﴾ یعنی "امیر المومنین ابو جعفر منصور نے جو خلفائے عباسیہ میں سے دوسرے خلیفہ ہیں امام مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا جس میں اُن کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ اس پر امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تادیب کی ایک قوم کی اس آیت شریف میں ﴿ایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی﴾ یعنی اے مسلمانو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ یعنی میرے حبیب کے دربار میں اپنی آواز نہ کرو۔

اور مدح کی اُن لوگوں کی جو حضور ﷺ کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا سورہ حجرات رکوع: 1 میں ﴿ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقویٰ لهم مغفرة واجر عظیم﴾ یعنی جو لوگ دبی آواز سے بولا کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور مذمت کی اُس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضور ﷺ کو پکارتے تھے۔ چنانچہ اسی سورہ میں فرمایا ﴿ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرهم لا یعقلون﴾ یعنی اور جو لوگ آپ کو حجرہ کے باہر پکارتے ہیں وہ اکثر بیوقوف ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ اُن کی طرف از خود نکلے تو اُن

حق میں بہتر تھا۔ اور حضور ﷺ کی حرمت ظاہری پردے کے بعد بھی وہی ہے جو پردے کے قبل تھی۔

امیر المؤمنین ابو جعفر منصور یہ سنتے ہی متادب اور متذلل ہو گئے۔ پھر پوچھا ”اے عبد اللہ! قبلہ کی طرف متوجہ کر دے کروں؟ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی طرف سے کیوں منہ برتتے ہو؟ وہ تو وسیلہ ہیں آپ کے اور آپ کے باپ آدم ﷺ کا قیامت کے روز تو نبی کریم ﷺ کی طرف جہ ہو کر شفاعت و سفارش طلب کیجئے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی شفاعت قبول کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ یعنی اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا تو آپ سے پاس آجاتے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول ان کے واسطے معافی چاہتے تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ کرنے والا مہربان۔

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مراتب تعظیم اور آداب رسالت کا لحاظ رکھیں گے، وہی اس وعدے سے داخل ہیں۔ برخلاف ان کے جو بے ادبی سے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بولتے ہیں کہ ان کے نیک دل بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

مسلمانو! ان بزرگوں کے اعتقادوں کو دیکھئے کہ امام مالک ﷺ نے آواز بلند کرنے کے باب میں ان آیات پر استدلال کیا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ اور ﴿وَالَّذِينَ يَسَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ﴾ اور خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ ﴿فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ اور ﴿يَسَادُونَكَ﴾ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں؟ اگر اجتہاد کیا گیا تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ یہ بھی تھا کہ خلیفہ موصوف کچھ جاہل تھا بلکہ وہ نہایت کامل العقل عالم جید اور ادیب اور متدین تھا، مگر معلوم ہے اس استدلال میں کس درجہ کی قوت تھی جس نے خلیفہ وقت کو عین مباحثہ میں ساکت کر دیا۔

اگر اس زمانہ میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو اس پر سینکڑوں اعتراض کئے جائیں گے۔ علیٰ ہذا کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو وہ کونسا مسلمان ہوگا جو معترض کی

رائے کو امام مالک ﷺ کی رائے پر ترجیح دے گا۔ کیونکہ امام مالک ﷺ وہ شخص ہیں کہ جن شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری اور مسلم وغیرہ ایسے محدثین کو فخر حاصل ہے۔ غرض اس استدلال پر حجت کرنے والا جاہل مطلق اور علم سے بے بہرہ ہے۔

مسلمانو! امام مالک ﷺ نے ان آیات سے وہ ادب استنباط کیا کہ اس کی بدولت قیامت تک اہل ایمان بہرہ اندوز اور متمتع رہیں گے۔ ﴿هَٰذَا اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنَا خَيْرٌ مِنَ الْجَزَاءِ﴾

● صحابہ کرام حضور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ﴿بَابِی﴾ کہتے:

بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت خضہ ؓ سے مروی ہے کہ ام عطیہ ؓ کی عادت تھی کہ جب کبھی حضور ﷺ کا ذکر مبارک کرتیں تو ﴿بَابِی﴾ کہتیں۔ چنانچہ ام المؤمنین فرماتی ہیں ﴿وَقَلِمَا ذَكَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِلَّا قَالَتْ بَابِی﴾ یعنی کم اتفاق ہوتا تھا کہ ذکر شریف کے وقت یہ لفظ ﴿بَابِی﴾ نہ کہتی ہوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے ماں باپ رسول اللہ ﷺ پر سے فدا ہوں۔

صحابہ کرام اکثر ﴿بَابِی انت وامی یا رسول اللہ ﷺ﴾ کہا کرتے تھے چنانچہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اشفاق و مراحم کے روبرو مہر مادری اور شفقت پدری کی کچھ حقیقت نہیں۔ ان دونوں کو آپ ﷺ پر سے فدا کرنا چاہیے۔

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ رُوبرو روبرو غائبانہ پردہ شریف کے بعد بھی وہ ادب مرعی تھا کہ جب تک ماں باپ کو فدا نہیں کرتے نام مبارک کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

● نبی ﷺ کے نام مبارک کا ادب کافر بھی کرتے تھے:

یہ نام مبارک وہ تھا کہ جس کے ذکر میں کفار بھی بسا اوقات متادب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ قسطلانی ؒ نے مواہب اللدنیہ میں اور زرقانی ؒ نے شرح مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ ایک جماعت قبیلہ کنہہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ الفاظ تحیت کے ادا کیے جو اُس زمانہ میں سلاطین کے حضور میں کہے جاتے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ محمد بن عبد اللہ ہوں۔ انہوں نے کہا ہم آپ ﷺ کو نام لے کر نہیں پکاریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ابوالقاسم ہوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اے ابو القاسم فرمائیے کہ ہم نے اپنے دل میں کیا چھپایا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو کانہوں کا کام ہے اور کانہن اور ان کا پیشہ دوزخی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر کیونکر معلوم ہو کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تب آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا کہ دیکھو یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ چنانچہ اسی وقت کنکریاں دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں۔ یہ سن کر حاضرین نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ سب لوگ مشرف باسلام ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ قبل امتحان مشرف باسلام نہیں تھے باوجود اس کے نام مبارک لینے میں ترک ادب سمجھا۔ کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی ادب پسند آگیا ہو جس سے ان کو ابد الابد کے لیے عزت و شرافت حاصل ہوگئی کہ مسلمان ہو کر جنت الفردوس میں داخل ہوئے۔

● امام مالک کا طریق ادب رسول ﷺ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جذب القلوب میں ارقام فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سم سے روندوں جس پر رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوئے ہیں۔ فی الحقیقت وہ زمین پاک نہایت واجب التعظیم ہے۔ بقول حافظ رحمہ اللہ:

بمقامیک نشان کف پائے تو بود

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

ترجمہ: جس جگہ نبی کریم ﷺ کے قدموں کا نشان ہوگا سالہا سال تک صاحب نظروہاں عاجز ہو کر تعظیم کے لئے جھکتے رہیں گے۔

● امام بخاری کا طریق ادب رسول ﷺ:

امام بخاری رحمہ اللہ کے حال میں مرقوم ہے کہ آپ صحیح بخاری کے جمع کرنے کے وقت ہر حدیث لکھنے کے لیے تازہ غسل کیا کرتے اور دو گانہ نماز پڑھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ زمزم سے غسل کرتے اور مقام ابراہیم پر دو گانہ نفل پڑھتے تھے۔

جس طرح انہوں نے حدیث نبوی کی تعظیم اور توقیر کی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فضل عظیم دیا ہے کہ تمام مسلمان ان کو اپنا امام جانتے ہیں اور ان کی تعظیم اور ان کی کتاب کی وہ قدر ہوئی کہ دنیا میں سوائے قرآن مجید کے کسی اور کتاب کی ایسی قدر و منزلت نہیں ہوئی۔ یہ مقبولیت محض ادب حدیث کا سبب تھا ورنہ احادیث صحیحہ کی اور بھی بی شمار کتابیں تھیں۔

جمہور علمائے اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کتاب البخاری یعنی تمام کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب کتاب اللہ کے بعد بخاری کی کتاب ہے۔

● امام شافعی کا طریق ادب رسول ﷺ:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے تنزیہ الانبیاء عن تشبیہ الاغیاء میں امام سبکی رحمہ اللہ کی کتاب ترشح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جب کسی عورت نے کچھ مال چرایا تھا اور حضور اکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا اور کسی نے سفارش کی۔ پھر وہ حدیث نقل کی کہ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی (جو ایک شریفہ تھیں) چراتیں تو ان کا بھی ہاتھ قطع کیا جاتا۔

امام سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں سیدہ فاطمہ رحمہ اللہ کا نام مصرح ہے۔ اگر بحینہ نقل کر دیتے تو کوئی بیجا اور بے موقع بات نہ تھی لیکن آپ نے ازراہ کمال ادب صراحتاً نام مبارک کو ذکر نہ کیا۔

سبحان اللہ کیا ادب تھا حالانکہ الفاظ حدیث کو بحینہ نقل کرنا ضروری ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ ﴿لو﴾ کے تحت میں ہے جو علی السبیل فرض محال آتا ہے مگر ہاں ہمہ چونکہ حدیث

شریف میں یہ نام مبارک مقام توہین میں وارد تھا اس لیے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتاً ذکر کریں۔ گو حدیث شریف میں وارد ہے۔ سچ ہے جو مقررین بارگاہ ہوتے ہیں انہی کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و نا کس میں وہ صلاحیت کہاں؟

از خدا خواہم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از لطف رب
ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے محروم رہ جاتا ہے۔
● سلطان محمود غزنوی کا طریق ادب رسول ﷺ

کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی ﷺ کے غلام ایاز کا ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کا ملازم تھا۔ اس کا نام محمد تھا۔ ایک دن بادشاہ سلامت نے ایاز کی موجودگی میں اس سے یوں خطاب کیا کہ اے ایاز کے بیٹے! وضو کا پانی لاؤ۔ ایاز نے ان الفاظ کو سن کر دل ہی دل میں خیال کیا کہ نہ معلوم میرے بیٹے نے کیا خطا کی کہ جس کے باعث بادشاہ سلامت نے اس کو نام سے نہیں بلایا۔ پس جب سلطان محمود ﷺ وضو سے فارغ ہوئے تو ایاز کی طرف دیکھا کہ وہ مغموم و ملول ہے۔ اس سے غم ورنج کا سبب پوچھا۔ اس نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی کہ عالیجا! میرے مغموم ہونے کا باعث یہ ہے چونکہ حضور نے میرے لخت جگر کو نام لے کر نہیں بلایا۔ اس لئے معامیرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی اور گستاخی سرزد ہوئی ہے کہ جس کے باعث آپ اس سے خفا اور ناراض ہیں۔

بادشاہ سلامت نے مسکرا کر کہا اے ایاز! خاطر جمع رکھ۔ تمہارے صاحبزادے سے کوئی بات میری طبع کے خلاف سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اس سے کسی طرح ناراض یا خفا ہوں۔ اس وقت نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ میں اس وقت بے وضو تھا۔ چونکہ آقائے نامد از سرور کو نین رحمۃ للعالمین کا وہ ہمنام تھا اس لئے مجھے شرم آئی کہ حضور ﷺ کا نام مبارک ایسی حالت میں میری زبان سے گزرے جبکہ میں بے وضو یا بے طہارت ہوں۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ترجمہ: اگر میں اپنے منہ کو کستوری اور گلاب کے عطر سے ہزار بار بھی دھو لوں پھر بھی آپ کا نام نامی اسم گرامی زبان پر لانا حد درجہ کی بے ادبی ہے۔

مسلمانو! تم کو بھی لازم ہے کہ تم بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو جس طرح بزرگان دین کر کرتے تھے۔ ہر بات میں آپ ﷺ کا ادب ملحوظ رکھو۔ جس وقت آپ ﷺ کا ذکر ہو یا آپ کا نام مبارک لیا جائے یا آپ کا کلام پڑھا جائے یا آپ کے فضائل و محامد بیان کیے جائیں تو نہایت متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ سنا کرو۔ جب تک ایسے مقام میں رہو درود شریف کی کثرت کیا کرو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے بلکہ حقیقت میں تمہارا اپنا ہی نفع اور بہبودی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے دلوں میں حبیب خدا اشرف انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت ڈالے۔ حضور ﷺ کا سچا تابعدار اور فرمانبردار بنائے اور قیامت میں حضور ﷺ کی معیت سے شاد کام فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

دیدہ باشی تشنہ مستعجل بر آب

جاں بجاناں بچتاں مستعجل است

ترجمہ: تھونے یہ منظر دیکھا ہوگا کہ پیاسا پانی پینے کی طرف کتنی جلدی سے لپکتا ہے۔ محبوب کی جانب جان بھی اسی طرح جلدی سے بڑھتی ہے۔



جن حضرات کو رسالہ کی ممبر شپ کے حوالے سے کوئی معلومات درکار ہوں یا جنہیں رسالہ پہنچ رہا ہو وہ اس نمبر پر رابطہ فرمائیں۔ (ساجد الرحمن: 0314*0345-4250505)

عورت کا دائرہ کار

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ

غزالہ

بٹ

چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اعلان رسالت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ اس کے نتیجے میں فکر و نظر کی دنیا بدل گئی۔ سیرت و کردار میں انقلاب آگیا، انسان نے نئے ڈھنگ سے سوچنا شروع کیا اور اس کی زندگی نے نیا رخ اختیار کیا۔ اسی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عورت کے بارے میں اس کا پورا نقطہ نظر اور عملی رویہ بدل گیا اور مرد و زن کے تعلقات نئی بنیادوں پر استوار ہوئے۔

اسلام سے پہلے عورت کی جو حالت زار تھی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ وہ عورت جس کا معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں کوئی کردار اور مستقل حیثیت نہ تھی۔ جسے کم تر اور فروتر سمجھا جاتا تھا۔ جسے فساد اور خرابی کی جڑ کہا جاتا تھا۔ جس کی تجارت بازار میں بھیڑ بکریوں کی طرح کی جاتی تھی۔ جس کا کوئی حق نہ تھا۔ جو مردوں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتی تھی۔ جو مظلومیت اور محکومیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

اسلام نے آکر عورت کی اس مظلومیت اور محکومیت سے بھری تاریخ کو یکسر بدل دیا اور اس کی محکومی کے خلاف اتنے زور سے آواز بلند کی کہ ساری دنیا اس سے گونج اٹھی اور آج تک کسی میں یہ ہمت نہیں کہ اس کی پچھلی حیثیت کو صحیح اور برحق کہہ سکے۔ قرآن کریم نے پوری قوت سے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے اور تم اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی۔ بے شک اللہ تمہارے اوپر نگران ہے۔

اسلام نے اس تصور کی جڑ ہی کاٹ دی کہ مرد اس لیے باعزت اور سر بلند ہے کہ وہ مرد ہے اور عورت ہونے کی وجہ سے فروتر اور ذلیل ہے بلکہ یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے سب سے پہلے عورتوں کو زمین کی خاک سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأَمْهَاتِ﴾ ۲

گھر عورت کا دائرہ کار و میدان عمل:

اسلام نے عورت کو وہی درجہ دیا ہے جو مرد کا ہے۔ حیثیت، حقوق اور آخرت کے انعامات میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ زندگی کا نظام چلانے میں دونوں کے دائرہ عمل کے درمیان اسلام کی تقسیم کار کا اصول عمل پیرا ہے نہ کہ یکسانیت کا رکا اصول۔

اسی تقسیم کار کے اصول کی وضاحت کرتے ہوئے اسلام نے عورتوں کے دائرہ عمل کے لئے گھر کا میدان تجویز کیا ہے۔ قرآن مجید اسی اصول کی وضاحت میں کہتا ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَةِ الْأُولَى﴾ ۳ ”اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلے دور جاہلیت کی طرح زیب و زینت کا اظہار نہ کرتی پھرو“۔

یہ حکم اس وقت دیا گیا جب اسلام کو حقیقتاً افرادی قوت کی ضرورت تھی کہ ایک ایک فرد مرد و زن میں سے دشمن کے مقابلہ میں کمر بستہ ہو جائے تاکہ اسلام کو سر بلندی حاصل ہو سکے لیکن اس وقت بھی یہ فیصلہ کیا گیا کہ مردوں کو ہر فن کار و برو مقابلہ کر کے سر چکنا چاہیے جبکہ دختران ملت کو ان کی ماؤں کے ذریعے سے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس جنگ میں شریک تو ضرور ہوں لیکن گھروں کے حصار میں رہ کر۔ وہ دین و ایمان کی غارت گری قوتوں کے مقابلہ میں تو لگی رہیں لیکن اپنی سیرت و کردار اور عزت و ناموس کو گھر کی پناہ گاہ میں محفوظ رکھتے ہوئے۔

گویا یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ ریاست اور معاشرہ کے تحفظ کی ذمہ داری مرد کی ہے اور عورت کی جدوجہد گھر کو سنبھالنا ہے۔ اس کی حقیقی پوزیشن یہ نہیں کہ وہ بازار کی تاجر، دفتر کی کلرک، عدالت کی جج اور فوج کی سپاہی

بنی رہے بلکہ اس کے عمل کا حقیقی دائرہ کار اور میدان اس کا گھر ہے۔

علامہ ابو بکر حصص رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں ﴿وفیہ دلالة علی ان النساء مأمورات بلزوم البیت منہیات عن الخروج﴾ اور اس میں دلالت ہے اس بات کی کہ عورت اپنے گھروں سے چٹھی رہنے پر مامور ہے اور ان کو باہر نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔

عورتوں کے بارے میں اسلام کا یہ اصول ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں، اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں، آخرت میں اپنے اجر کے لحاظ سے برابر ہیں، لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست، ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دائرہ میں عورت کو گھسینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو جائے گی جس کی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دہرا بار ڈالا جائے گا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی سرانجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں۔ عملاً دوسری صورت ممکن نہیں تو لازماً پہلی صورت ہی رونما ہوگی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے۔

مرد و عورت کے لئے یہی بات بہتر ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں کام کریں۔ مرد کی سرگرمیوں کا دائرہ بنیادی طور پر ”باہر“ ہے اور عورت کی سرگرمیوں کا دائرہ بنیادی طور پر ”اندز“ ہے۔ اس تقسیم کا کوئی بھی تعلق امتیاز سے نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ دونوں کی صنفی خصوصیات مجروح نہ ہوں۔ دونوں اپنی پیدائشی صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں لاسکیں، بغیر اس کے خاندان یا سماج کے اندر کوئی رخنہ واقع ہو بالفاظ دیگر یہ فرق انتظام کی بنیاد پر ہے نہ کہ اعزاز کی بنیاد پر۔

عورت کے دائرہ کار کو انتظام کی بنیاد پر صرف اور صرف گھر تک محدود کیا گیا ہے۔ اس کی تاکید ہمیں اس حدیث مبارکہ سے بھی ہو رہی ہے ﴿والمراة راعیة علی بیت بعلہا وولده وہی مسئلہ عنہم﴾ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی ذمہ دار بنائی گئی ہے اور اس سے ان چیزوں

کے بارے میں سوال ہوگا۔

یہ حدیث واضح طور پر اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ عورت کو ایسے تمام فرائض سے سبکدوش کیا گیا ہے جو بیرون خانہ کے امور سے تعلق رکھنے والے ہیں چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہی کیوں نہ ہو۔

عبادات کے اہم ترین جزو نماز کو لیجئے۔ مرد پر نماز جماعت کے ساتھ فرض ہے۔ عورت پر نماز تو فرض کی گئی لیکن جماعت ضروری نہیں قرار دی گئی۔ مرد اگر بلاوجہ جماعت سے پیچھے رہتا ہے تو اسے انتہائی زجر و توبیخ کا مستحق سمجھا جاتا ہے اس کے برعکس عورت کو مختلف پہلوؤں سے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے کسی گوشہ میں عبادت کرے۔ ۸۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿خیر المساجد النساء قعربو تنھن﴾ ۹۔ ”عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔“

یہ مسئلہ صرف نماز کے ساتھ ہی نہیں تھا بلکہ دیگر عبادات میں عورت کو پابند کیا جاتا کہ وہ گھروں میں ہی رہیں اور گھروں میں ان عبادات کو بجالائیں۔

جیسا کہ نماز جمعہ ہے کہ شریعت نے عورت کو اس عبادت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ﴿عن طارق ابن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم الاربعاء عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض﴾ ۱۰۔ ”طارق بن شہاب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے چار قسم کے لوگوں کے غلام، عورت، بچہ اور مریض۔“

اسی طرح جنازہ لے کر جانے اور اس کے پیچھے چلنے سے عورتوں کو منع کیا گیا ﴿نہینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا﴾ ۱۱۔ ”ہمیں جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا گیا لیکن اس معاملہ میں حضور ﷺ نے ہم پر نہیں کی۔“

جہاد میں بھی یہی اصول سامنے رکھا گیا کہ نازک وقت میں عورت کو جہاد کے لئے محاذ جنگ پر نہیں بلے جائے گا بلکہ اسے گھر کے دائرہ میں رہ کر ہی اس وقت کو گزارنا ہوگا ﴿عن عائشہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال علیکن بالبت فانه جہاد کن﴾ ۱۲۔

ایک حدیث میں ایک صحابیہ کے سوال کا جواب یوں دیا گیا ﴿کُتِبَ إِلَيْكَ الْجِهَادُ عَلَى الرِّجَالِ سَانِ أَصَابُوا كَثْرًا وَانْأَسَفُوا كَانُوا أَحْيَاءَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَمَا يَعْدِلُ ذَلِكَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَاعَةُ أَزْوَاجِهِنَّ وَالْمَعْرِفَةُ لِحَقُوقِهِنَّ﴾ ۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اگر وہ فتح یاب ہوتے ہیں تو غنیمت پاتے ہیں اور اگر شہید ہوتے ہیں تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ چلے جاتے ہیں جہاں ان کو روزی ملتی ہے۔ پس ہمارا کونسا عمل ان کے اس کام کے مساوی ہوگا تو نبی کریم ﷺ نے جواب دیا ”اپنے شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق پہنچانا۔“ جب عورتوں نے اصرار کے ساتھ پوچھا کہ کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے تو یہ جواب دیا گیا ﴿نَعَمْ عَلَيْهِنَ جِهَادٌ لَا قِتَالٌ فِيهِ الْحَجُّ وَلَا عُمْرَةٌ﴾ ۱۴۔ ”ہاں ان پر جہاد ہے لیکن ایسا جہاد جس میں جنگ نہیں ہوتی اور وہ ہے حج اور عمرہ۔“

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر میں کام کاج کرنے والی اور دن رات شوہر کی خدمت میں مصروف رہنے والی عورت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا وَامْرَأَةً سَفْعَاءَ الْخَدِينِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ۱۵۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور ملکہ گالوں والی عورت قیامت کے دن (راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو برابر کرتے ہوئے فرمایا) اس طرح ہوں گے۔

عورت و مرد کے دائرہ کار ایک دوسرے سے الگ رکھنے کی وجوہات:

اسلام نے کئی وجوہ سے عورت اور مرد کے دائرہ کار ایک دوسرے سے الگ رکھے۔

عفت و عصمت کی حفاظت:

اسلام عفت و عصمت کے معاملہ میں بڑا احساس واقع ہوا ہے۔ اس نے عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول اور اختلاط سے سختی سے منع کیا ہے۔ وہ اس بات کو غلط سمجھتا ہے کہ عورت و مرد ایک ساتھ مل کر کام کریں اور خود کو ایسی آزمائش میں ڈال دیں کہ اس سے ٹھٹھان ان کے لیے دشوار ہو جائے۔ اسی لیے اس نے زنا اور

بدکاری سے ہی نہیں بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ مَسِيلًا﴾ ۱۔ ”گناہ کے قریب مت جاؤ اس لیے کہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی بُرا راستہ ہے۔“ عفت و عصمت بظاہر ایک اخلاقی قدر ہے لیکن اس سے پورے معاشرے کا رخ متعین ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں عفت و عصمت کی کوئی اہمیت نہ ہو وہ آدمی کو ہر طرف سے کھینچ کر زنا اور بدکاری کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسا خاص قسم کا معاشرہ، تہذیب، کلچر اور اخلاق و ادب وجود میں آتا ہے جس کا انجام صرف اور صرف تباہی، ہلاکت و بربادی ہے۔

اس کے برعکس جو معاشرہ عفت و عصمت کی قدر و قیمت اور عظمت محسوس کرتا ہے تو اس کی تعمیر ایک دوسرے ہی طریقہ پر ہوتی ہے۔ اس کے ہر عمل سے شرم و حیا اور کردار کی پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہے ہر طرف تقویٰ اور طہارت کی فضا چھائی رہتی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔

اسی لیے اسلام نے عورت و مرد کا دائرہ کار مختلف رکھا تا کہ عفت و عصمت ایسے جوہر نایاب کی حفاظت ہو سکے جو کہ ایک مسلم معاشرہ کا خاصہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرائے میں کئی مقامات پر عفت و عصمت اور اخلاق کی اہمیت اور تاکید بیان کی ہے۔ ایک جگہ عفت و عصمت اور اخلاق و محبت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے ﴿وَالْحَفَظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظِينَ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ ۲۔ ”اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے۔“

اس آیت میں کتنی وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت اور در عفت کی حفاظت کرتے ہیں، اپنے اخلاق و علم کو صحیح رکھتے ہیں، خداوندی حدود میں رہ کر لذت و سرور حاصل کرتے ہیں اور حدود

اللہ کو توڑنے سے بچتے ہیں، ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دولت اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

عورت سے عفت و عصمت پر بیعت:

اسلام میں عفت و عصمت کی اتنی حفاظت کی جاتی ہے کہ مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم تھا ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ بدکاری نہ کریں گی اور اپنی عفت و عصمت کے دھلے ہوئے دامن پر دھبہ نہ آنے دیں گی جیسا کہ قرآن پاک میں حضور اکرم ﷺ کی عورتوں سے بیعت کے الفاظ بیان کئے گئے ہیں۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ وَلَا يَاقْتُلُنَّ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ﴾ اور جلہن ﴿۱۸﴾ ”اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ خود ساختہ افترا باندھیں گی۔“

قوتوں اور صلاحیتوں کا فطری فرق:

مرد اور عورت کے بارے میں اسلام کا تصور دونوں صنفوں کی فطری ساخت میں ثابت شدہ فرق پر مبنی ہے۔ یہ ایک حیاتیاتی حقیقت ہے کہ مرد و عورت کی ساخت میں فرق ہے۔ دونوں کی قوتیں اور صلاحیتیں یکسر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مرد پیدائشی ساخت کے اعتبار سے ”باہر“ کے کام کے لیے موزوں ہے اور عورت اپنی پیدائشی ساخت کے اعتبار سے ”اندر“ کے کام کے لیے موزوں ہے۔ عورت جسمانی طور پر مرد سے مختلف ہے اور وہ زیادہ محنت و مشقت برداشت نہیں کر سکتی پھر اس کے ساتھ ایسے عوارض بھی لگے ہوئے ہیں جو اسے مسلسل اور سخت محنت سے روکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حمل و رضاعت کے تکلیف دہ اور جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ساری کیفیات اس کی صحت، وقت کار اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں اور لگاتار رجد و جہد اور سخت محنت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے تمام احکام فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فطری تقاضوں کو قانونی صورت دینے ہی کا دوسرا نام شریعت ہے۔ عورت کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بھی اسی بنیادی اصول پر مبنی ہیں۔

فطری طور پر عورت کے مزاج، رجحان اور نفسیات کا تقاضا اور عدل و انصاف سے قریب تر بات بھی یہی ہے کہ عورت پر مرد کی نسبت کم بوجھ ڈالا جائے۔ عورت کو اس کے فطری تقاضوں کے مطابق کاموں میں لگایا جائے جو زیادہ محنت طلب نہیں ہوتے جبکہ مرد کے ذمے سخت مشقت کے کام لگائے جائیں۔

اسلام نے اس کا حل یہ نکالا کہ عورت گھر سنبھالے کیونکہ یہ پُر سکون ماحول فراہم کرتا ہے اور اس کے مزاج و فطرت کے مطابق ہے جبکہ مرد باہر کی خدمات انجام دے اور زندگی کے پیچیدہ اور دشوار مسائل کا سامنا کرے۔

گھر کی بنیادی اہمیت:

اسلامی معاشرے میں گھر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ گھر کسی بھی سوسائٹی کی بنیاد ہوتا ہے اور اس کی اہمیت بازار اور دفتر سے کم نہیں۔ خاص طور پر عورت کے لیے عزت و شرف کا مقام اس کا گھر ہے بازار نہیں جبکہ موجودہ زمانہ میں گھر اور خاندان کی اہمیت پوری طرح محسوس نہیں کی جاتی۔ یہ آج کے دور کا ڈھنی بگاڑ ہے کہ گھر سنبھالنے کو کم تر درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور باہر کے کام کو زیادہ بڑا کام سمجھ لیا گیا۔ اس لئے جب گھر کو عورت کا دائرہ کار کہا جاتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ نا انصافی ہو رہی ہے۔ اس کے لیے معاشرہ کا بہت ہی حقیر اور ذلیل کام تجویز کیا جا رہا ہے۔ اسے وہ حق نہیں دیا جا رہا جو فی الواقع اسے ملنا چاہیے۔ اسی طرح اسے مستقل چٹلی سطح پر رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مگر اسلام گھر سنبالنے کے لیے کام کو بھی اتنا ہی عزت کا درجہ دیتا ہے جتنا باہر کے کام کو۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کام یکساں اہمیت کے ہیں۔ ان میں سے کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ احساس برتری میں مبتلا ہو اور نہ کسی فریق کو چاہئے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر اپنی اہمیت خود اپنی نظر میں گھٹا لے۔

نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث مروی ہے ﴿جاءت نسيبه بنت عمرو الى النبي ﷺ تقول يا رسول الله ذهب الرجال بالا جور . يشهدون الجمع والجماعات والجهاد في سبيل الله فما ذا القى لنا . فقال رسول الله ﷺ يا نسيبه ان حسن احد كن لزوجها وطلها لمرضاته يعدل كل ما ذكرت من اجود الرجال﴾ 19 "حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ نے عرض کیا کہ "اے رسول اللہ! یہ لوگ جو آپ کے لئے جہاد میں جاتے ہیں، ان کے لئے کیا بدلہ ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "اگر ان کے لئے جو ان کے لئے ہے، اس سے بہتر بدلہ ہے۔"

دار الافشاء

مفتی یار احمد

ولادت باسعادت کی تاریخ

﴿الاستفتاء﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے؟ آیا یکم ربیع الاول یا ۹ یا ۱۲؟ علامہ شبلی نے ۱۲ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے؟

﴿الجواب﴾

تمام اہل سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں کہ روز ولادت باسعادت دوشنبہ مبارکہ ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے ① اولاً یہ کہ سال کون سا تھا؟ ② دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا؟ ③ سوم یہ کہ تاریخ کیا تھی؟ سال کے بارے میں اصح یہ ہے کہ وہ سال فیل تھا۔ ہلاکت اصحاب فیل سے پچپن دن کے بعد ولادت مبارکہ ہوئی لہذا اپریل ۵۷۰ء تھی۔

مہینہ کے بارے میں چھ قول ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الآخر، جب، رمضان۔ لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔ تاریخ کی بابت سات قول ہیں۔ ۲۲، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳۔ ان سب میں مشہور تر اور معمول بہ قول بارہ ہے لہذا قابل عمل و قبول یہ قول ہے کہ ولادت مبارکہ ۱۲ ربیع الاول، دوشنبہ مطابق اپریل ۵۷۰ء صبح صادق ہوئی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے۔

اہل تاریخ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوا۔

پاس آئیں انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول مردا جر میں بڑھ گئے وہ جمعہ میں اور اجتماعات میں اور جہاد میں اکثر شریک ہوتے ہیں پھر ہم عورتوں کے لیے کیا باقی رہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے نسیہ! تم میں سے ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ بہتر طریقہ سے رہے اور اس کی مرضی کو پورا کرے یہ ان تمام اعمال کے برابر ہے جن کا تم نے مردوں کے سلسلے میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کے لیے دین و دنیا ہر لحاظ سے بہترین دائرہ کار اس کا گھر ہے اور اگر وہ گھر کا انتظام و انصراف صحیح طریقہ سے کرے اور اپنے گھر والوں کو خوش رکھے تو اس کے لیے جہاں دنیاوی اعتبار سے خوشیاں حاصل ہوں گی وہاں دینی اعتبار سے اس کے درجات میں بھی بلندی ہوگی اور اس کا وہ وقت جو گھر میں استعمال ہوگا وہ جہاد میں صرف ہونے والے وقت سے درجہ کے مقابلہ میں کم نہیں ہے۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

۱۔ نسائی السنن: ۵۴/۲

۱۱۔ النساء

۲۔ الجصاص احکام القرآن: ۴۳۳/۲

۳۔ الاحزاب: ۳۳

۳۔ خاتون اسلام: ۱۰۳

۵۔ خواتین اور دینی مسائل: ۲۰۵

۷۔ عورت اسلامی معاشی میں: ۹۳

۶۔ سنن ابی داؤد: ۵۰/۲

۱۰۔ ابو داؤد: ۱۵۳/۱

۹۔ مسند احمد: ۲۹۷/۶

۱۲۔ مسند احمد: ۶۸/۶

۱۱۔ البخاری: ۱۷۰/۱

۱۳۔ ابن ماجہ: ۲۱۴

۱۳۔ الترغیب والترہیب: ۳۳۶/۳

۱۴۔ بنی اسرائیل: ۳۲

۱۵۔ ابو داؤد: ۳۴۵/۲

۱۸۔ الممتحنہ: ۱۲

۱۶۔ الاحزاب: ۳۵

ہوتا ہے۔ اسی تاریخ میں اہل مکہ مکرمہ مولد پاک مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ مدارج میں فرماتے ہیں کہ ﴿مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و در دوازدهم ربیع الاول بود۔ بعضے گفته اند کہ بدو شبے کہ گذشتہ بعض ہشت شبے کہ گذشتہ۔ و نزد بعضے دہ آمد۔ و قول اول اشہر و اکثر است۔ و عمل اہل مکہ بر این ست در زیارت کردن ایشان موضع ولادت دریں شب و خواندن مولود﴾

مواہب و زرقانی میں ہے ﴿فقیل ولد لیلین خلثانہ و قیل لثمان خلث منہ و قیل اثنا عشر من ربیع الاول و علیہ عمل اہل مکہ قدیمہ و حدیثا فی زیارتہم موضع مولدہ فی ہذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول و قیل لسبع عشرة ربیع الاول و قیل ثمان عشرة و المشہور انہ ﷺ ولد یوم الاثنين عشر ربیع الاول و هو قول محمد ابن اسحق و غیرہ قال ابن کثیر و هو المشہور عند الجمهور و بالغ ابن الجوزی و ابن الجزار فنقل فیہ الاجمع و هو الذی علیہ العمل﴾

تاریخ ترجمہ ابن خلدون جلد سوم صفحہ ۷۷ میں ہے۔ جمہور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبد اللہ ابن عبد المطلب کے انتقال کے چند مہینہ بعد بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس پچپن روز کے بعد آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ اسی میں حاشیہ پر ہے۔ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔

غرض قابل اعتماد و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ ولادت مبارکہ بارہ ربیع الاول دو شنبہ صبح صادق ہوئی۔ ۹ ربیع الاول کا کسی نے قول نہیں کیا جیسا کہ اوپر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹ کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ جب ۹ کو قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی؟ زیادہ تحقیق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ ﴿نطق الہلال﴾ میں دیکھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم



”مصباح خیال جمیعت العلماء پاکستان“

2011ء

”شیخ خاندان نورانی“

1433ھ

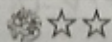
”آہ جنت مقام پروفیسر سید شاہ فرید الحق“

2011ء

موت کی تیز رو ہے طغیانی
ہر کسی کا فنا مقدر ہے
چل بے ہیں شہ فرید الحق
وہ شیر و رفیق نورانی ☆☆
عظمت دین مصطفیٰ ☆ کے لئے
زیب و زینت تھے وہ جمیعت کی
ضو بڑھائی انہوں نے دانش کی
سندھ اسبلی کا وہ وقار بنے
جو بھی برپا ہوئی ہیں تحریکیں
ان کی حسرت تھی دین ہو نافذ
ان کی خدمات زندہ و روشن
ان کے افکار ظاہر و باہر
اے خدائے کریم ان کو ملے
ان کی تربت پہ رات دن اتریں
کہیے مجھ کو حکم ہاتھ پر

زندگی کا نہ پوچھو مجھ سے حال
چند روزہ حیات کا ہے جمال
استقامت کا تھے جو مہر جلال
وہ بلند پایہ اہل فکر و خیال
وقف تھے ان کے سارے ماہ و سال
بزم دین کو کیا انہوں نے نہال
پایا ان سے شعور نے ہے کمال
وہ سیاست کی تھے وجہ مثال
قائدانہ تھی سب میں ان کی چال
ان کی خواہش تھی ملک ہو خوشحال
ان کے اوصاف کو ملے نہ زوال
ان کا کردار عظمتوں پہ وال
تیری رحمت کی مغفرت کی دھال
تیرے انوار میرے رب جمال
”رحلت نجیب خلق“ سال وصال

1433ھ



بزم اطفال

☆ خاتم النبیین کے کیا معنی ہیں؟

● خاتم النبیین یا ختم المرسلین کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں یا بعد میں کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ کی ذات پاک پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔

☆ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت عام ہے یا خاص؟

● حضور ﷺ کی نبوت و رسالت سیدنا آدم ﷺ کے زمانہ سے روز قیامت تک تمام مخلوقات کو عام ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی رسالت تمام جن و انسان اور فرشتوں کو شامل ہے بلکہ تمام حیوانات، جمادات، نباتات آپ ﷺ کی رسالت کے دائرہ میں داخل ہیں تو جس طرح انسان کے ذمہ حضور ﷺ کی اطاعت فرض ہے یونہی ہر مخلوق پر حضور اقدس ﷺ کی فرمانبرداری ضروری ہے اور یہ سب حضور ﷺ کی امت ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کتنے قسم کے اوصاف دیئے؟

● حضور ﷺ کے بعض خصائص یہ ہیں:

① سب سے پہلے جس کو نبوت ملی وہ آپ ﷺ ہیں۔ ② قیامت کے روز جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا وہ آپ ﷺ ہی ہوں گے۔ ③ قیامت کا دروازہ جو سب سے پہلے کھولے گا وہ آپ ﷺ ہی ہوں گے۔ ④ شفاعت کی اجازت سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کو دی جائے گی۔ ⑤ حضور ﷺ کو ایک جھنڈا مرحمت ہو گا جس کو ”لواء الحمد“ کہتے ہیں۔ تمام مومنین حضرت آدم ﷺ سے آخر تک سب اسی کے نیچے

ہوں گے۔ ⑥ حضور ﷺ ہی کے لیے ساری زمین پاک کرنے والی اور مسجد ٹھہری۔ ⑦ حضور ﷺ ہی کے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ ⑧ حضور ﷺ ہی پیشوائے مرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ ⑨ روز محشر حضور اقدس ﷺ آگے ہوں گے اور ساری مخلوق پیچھے پیچھے۔ ⑩ پل صراط سے سب سے پہلے حضور ﷺ اپنی امت کو لے کر گزر فرمائیں گے۔ ⑪ دیگر انبیاء کسی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے اور حضور اقدس ﷺ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ ⑫ حضور اقدس ﷺ کو اللہ عز و جل مقام محمود و عطا فرمائے گا کہ تمام اولین و آخرین (اگلے پچھلے) حضور ﷺ کی حمد و ستائش کریں گے۔ ⑬ نبی ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔ ⑭ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے آپ ﷺ پر ایمان لانے اور نبی ﷺ کی مدد کرنے کا وعدہ لیا۔ ⑮ آپ ﷺ کو حبیب اللہ کا خطاب ملا۔ تمام جہان اللہ کی رضا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی رضا کا طالب ہے۔ ﴿سبحان اللہ﴾

ان کے علاوہ حضور ﷺ کے خصائص اور بھی ہیں جن کا بیان سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

☆ حضور ﷺ عرب کے کس خاندان سے ہیں؟

● حضور ﷺ خاندان قریش سے ہیں۔ یہ خاندان عرب میں ہمیشہ سے ممتاز و معزز چلا آتا تھا۔ عرب کے تمام قبیلے اور خاندان اس خاندان کو اپنا سردار مانتے تھے۔ اسی خاندان قریش کی ایک شاخ بنی ہاشم تھی جو قریش کی دوسری تمام شاخوں سے زیادہ عزت رکھتی تھی۔ نبی کریم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنا لیا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ بنا لیا۔ جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے مشرق و مغرب میں پھرا مگر بنی ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ کو ”ہاشمی“ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ بنی ہاشم میں سے ہیں۔

☆ ہاشم کون تھے جن کی اولاد بنی ہاشم کہلاتی ہے؟

● حضور ﷺ کے پردادا کا نام ہاشم ہے۔ آپ عبد مناف کے بیٹے تھے۔ ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔

یت مہمان نواز تھے۔ ان کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں یہ ملک شام سے ملک روٹیاں خرید کر مکہ میں لائے اور روٹیوں کو پجورہ کر کے اونٹ کے شور بے میں ڈال کر لوگوں کو پیٹ بھر رہا تھا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا پجورہ کرنے والا) کہنے لگے۔ ہاشم کی پیشانی میں نور محمدی ملتا تھا۔ اسی لیے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

☆ حضرت عبدالمطلب کون تھے؟

● حضرت عبدالمطلب حضور ﷺ کے دادا تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا اور ان کے جسم سے مشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو ان کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور وہ دعا قبول ہوتی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ یہ دعا مانگی کہ اگر میں اپنے سامنے دس بیٹوں کو جو ان دیکھ لوں ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب مراد برآئی تو نذر پوری کرنے کے لیے آپ دس بیٹوں کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے اور یہ تجویز پایا کہ ان دسوں کے نام پر قرعہ نکالا جائے جس کے نام پر قرعہ نکلے اسی کو قربان کر دیا جائے۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا جو ہمارے حضور ﷺ کے والد اور عبدالمطلب کو سب بیٹوں سے پیارے تھے۔ لیکن قریش کو آپ کا قربان ہونا پسند نہ آیا۔ آخر کار عبد اللہ اور دس بیٹوں پر قرعہ ڈالا گیا مگر قرعہ عبد اللہ ہی کے نام پر نکلا۔ پھر دس اونٹ اور بڑھائے گئے مگر نتیجہ وہی نکلا۔ آخر کار بڑھاتے بڑھاتے سوا دس بیٹوں پر قرعہ نکلا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سوا دس قربان کئے اور عبد اللہ بچ گئے۔ اسی واسطے حضور ﷺ نے فرمایا ﴿انا بن الذبیحین﴾ میں دو ذبیح (اسماعیل اور عبد اللہ) کا بیٹا ہوں۔

☆ اہل عرب حضور ﷺ کو کیا سمجھتے تھے؟

● رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ اپنی نبوت کو ظاہر نہ کیا تھا لیکن آپ ﷺ کی دیانت و امانت پر تمام اہل مکہ کو اعتبار تھا اور ہر ایک آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور پاک زندگی کا مدح خواں تھا۔ لوگوں میں حضور ﷺ کو "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو قبیلوں میں سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ

چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ نصب کریں۔ آخر کار چاروں کی کش مکش کے بعد یہ طے ہوا کہ کل صبح جو شخص اس مسجد میں داخل ہو اس پر فیصلہ چھوڑا جائے۔ دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقائے نامدار ﷺ تھے۔ دیکھتے ہی سب پکار اٹھے۔ "یہ امین ہیں، ہم ان پر راضی ہیں۔" چنانچہ آپ ﷺ نے ایک چادر بچھا کر اس میں حجر اسود رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر قبیلے والے اپنے ایک ایک سردار کا انتخاب کر لیں اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام کر اوپر اٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر اوپر پہنچ گئی تو حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا اور وہ سب خوش ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پینتیس سال تھی۔




ابتدا: تبصرہ برائے کتب

قارئین کو یہ جان کر انتہائی خوشی ہوگی کہ ربیع النور شریف کے بابرکت ماہ سے تبصرہ برائے کتب کی بھی ابتداء کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں تبصرے کے لئے کتب بھیجنے والوں سے التماس ہے کہ وہ اپنی مطبوعہ کتب کے 2 نسخے ارسال فرمائیں۔ نیز کتابچوں، پمفلٹوں اور اشتہارات وغیرہ کو تبصرے کے لئے روانہ مت فرمائیں۔

نوٹ: ہر کتاب پر تبصرہ مقررہ وقت پر ہوگا۔ اپنی کتاب پر تبصرے کے لئے وقت اور اپنی باری کا انتظار فرمائیں۔

18 جنوری 2012ء بروز بدھ کو پیارے آقا کریم ﷺ کے بچپن سے چالیس سال کی عمر مبارک تک وصفِ نبوت ﷺ سے متصف ہونے کا انکار کرنے والوں کی مناظرہ کے لیے طے شدہ مقام پر حاضری سے فرار اور میدانِ تحقیق میں عاجزی پر اہل حق کا اپنے رب جل و علا کی بارگاہ میں اظہارِ تشکر اور عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کے درمیان ہجرت و تہنیت کے لیے بسلسلہ

دارالعلوم
انجمن علمانیہ
لاہور



31
2012
جمهوری

فتح مریباک کالفرنس

تو حق مقام مصطفیٰ ﷺ
کے لیے مستقبل میں
فکری و عملی لائحہ عمل پر

شخصی خطاب

محفوظ ناموں رسالت علیہ السلام سرمایہ اہل حق

پہرہ ناکہ حضرت علامہ مولانا

۱۰۰

۱۱۱

九

166

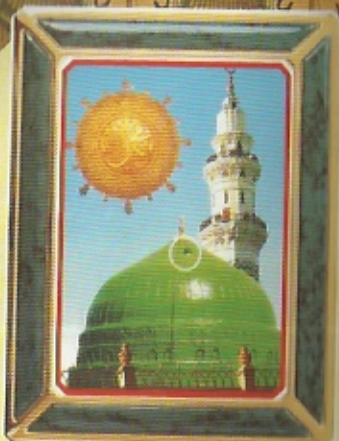
12

پیشانی پر

پیشہ ورانہ تعلیم کے شعبہ میں

٢٠٠٢

فدايان علم و سبوت



گنبد خضراء میں روشندان
پیر روشندان نبی کریم ﷺ کے درگاہ نور کی سیدہ میں ہے۔



حاضرین پارک وادی اٹلانٹک ان شہری جائیداد کے قریب سے ایک کلاس
ہو کر آقا کریم علیہ السلام کی پارک و اقدس میں صلوات و سلام کا اظہار کر رہے ہیں۔



رجب المرجب 1335ھ میں ووٹرین
جس میں تمہارے شریف کو استقبال منتقل کیا گیا۔



مسجد خرقہ شریف افغانستان کی وہ الماری جس میں کئی کیم ۱۹۸۰
کا بچہ اقدس محفوظ ہے۔ اس جبرک الماری اور ارجین پورٹ
صلو کو سلام کے الفاظ اعلیٰ فہم کو دعوتِ انصاف دے رہے ہیں۔



۱۹۱۸ء میں جرنالی راجپوت نے تاریک ساراں کے قلعے



سرگم کی پہلی، چوتھی اور دسواں صورتیں



بقیہ ختم ہونے والی حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی مقام ابراہیم آخری آرام گاہ۔



عظیم الشان گنبد میں خیر علیہ السلام کے انکار کی صورت میں ہوا چھوٹی خرابی اور کچھ دیوار کے ساتھ آپ کے ختم ہونے والی گاہ کا کتبہ، بالکل تباہ و برباد ہے۔



سیدہ علیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر بارگاہ۔



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلیفہ کا مقبرہ، ابراہیم نام سے کہلاتا ہے۔



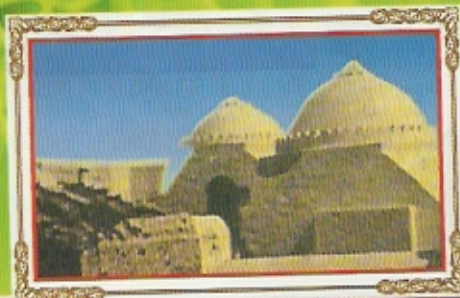
ہمارے ولادت باسعادت کا سوچو وہ اندرونی منظر۔



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلیفہ کا مقبرہ، ابراہیم نام سے کہلاتا ہے۔



1895ء میں خلیفہ علی رضی اللہ عنہ کی قبر پر بارگاہ، ابراہیم نام سے کہلاتا ہے۔



جنت البقیہ میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قبر پر بارگاہ، ابراہیم نام سے کہلاتا ہے۔